(7)

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی

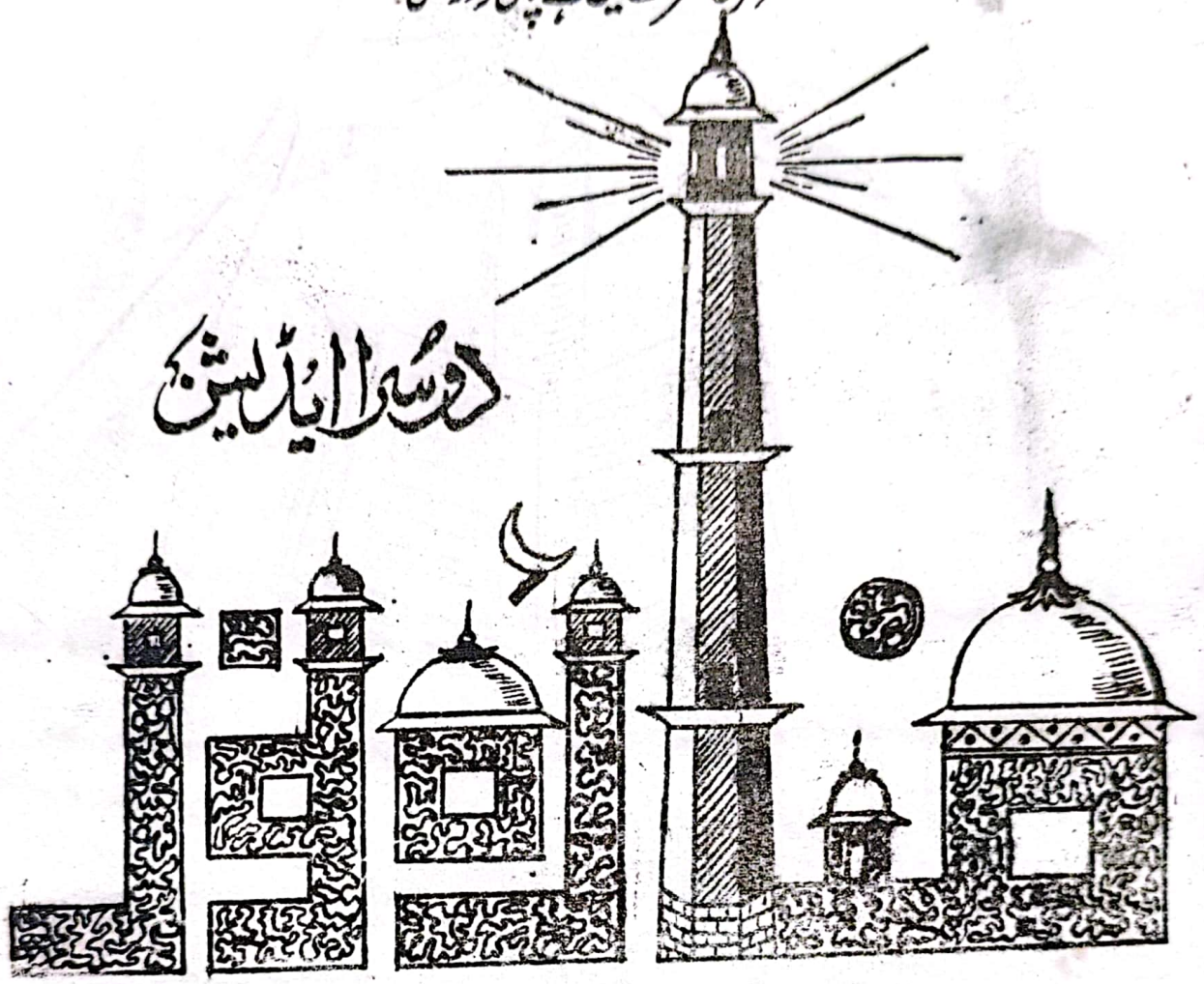

دوسرا ایڈیشن

گلہائے عقیدت

بحضور محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ خیرپوری

منجانب

خواجہ خدا بخش اکیڈمی خیرپور

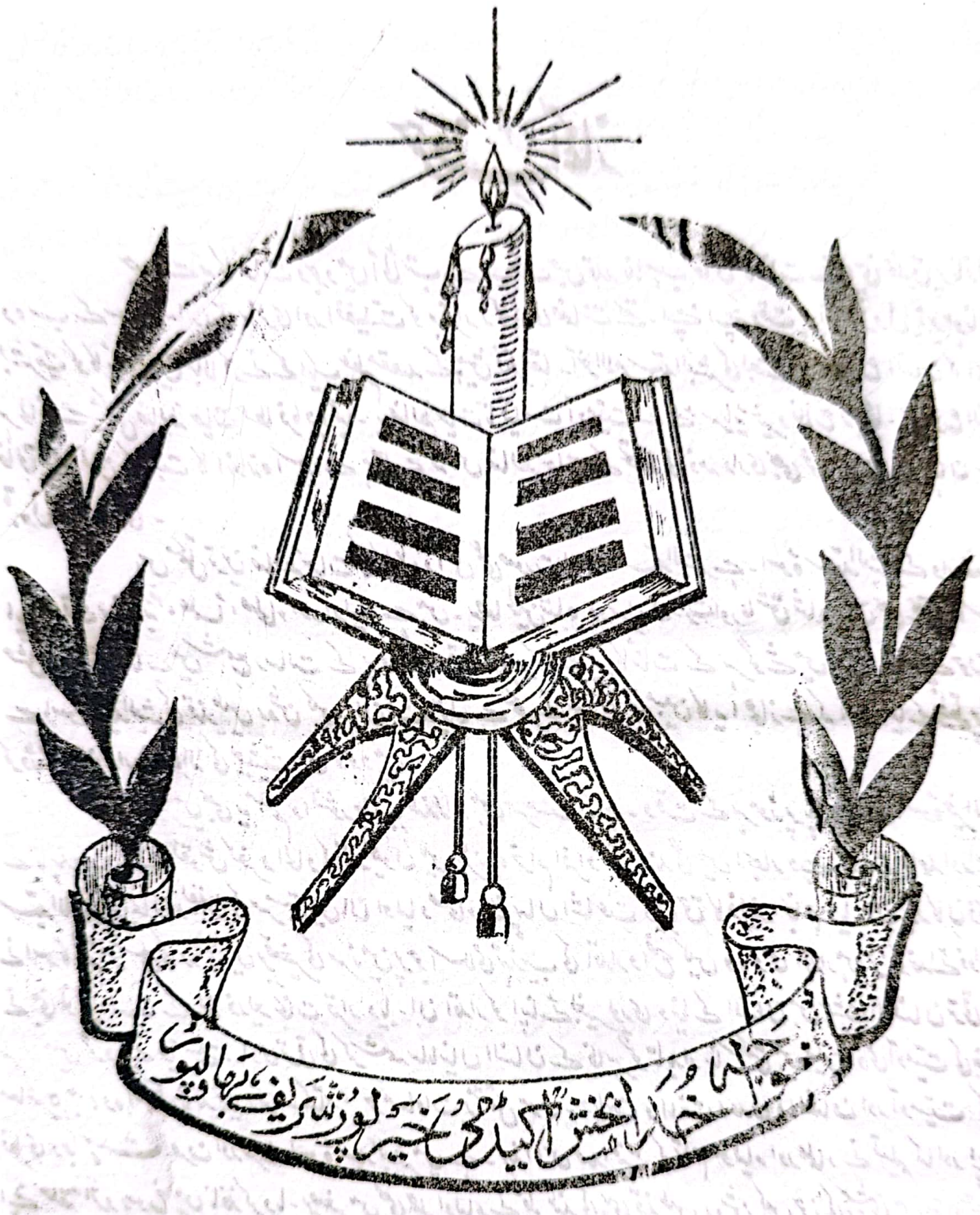
خواجہ خدا بخش اکیڈمی خیرپور شریف بہاولپور

حرفِ آغاز

جب سے یہ کائنات وجود میں آئی تب سے اب تک جس قدر مذاہب خالق کائنات نے اپنی مخلوق پر نازل فرمائے وہ سب کے سب انسان کی برتری اور افضلیت کو برقرار رکھنے کی ضمانت تھے۔ اپنے اپنے وقت پر انکا نزول پذیر ہونا شان بشریت کو کائنات میں بالا کرنے کے ایک عظیم مقصد کے پیش نظر تھا۔ آخر الامر سید البشر کی بعثت پر بنی نوع انسان کو ہر لحاظ سے مکمل ضابطۂ حیات عطا فرما دیا گیا۔ یہ ضابطۂ حیات تا قیامت آدمیت کے لئے سرمایۂ خیر و فلاح رہیگا۔ بنی نوع انسان سے خالق دو المنن کی محبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس ضابطۂ حیات کے تحفظ کی ذمہ داری بھی خود ربِ دو جہان نے قبول فرمائی۔

اس مکمل ترین ضابطۂ حیات کی کامل و اکمل عملی صورت اسوۂ سید البشر ہے۔ اسوۂ سید البشر کے وارثہ اپنے اپنے وقت پر صحابہؓ، علماء، صلحاء اور اولیا رہے ہیں۔ یہ صالحین شاہِ دوسرا کے وارث اور عاشقِ شاہِ زمن بھی تھے۔ اس عشق کے پیچ و تاب میں شمعِ رسالت کے پروانے وقت کی ہر کروٹ پر کائنات کے ہر گوشے میں پہنچے اور اپنے خونِ جگر سے اسوۂ سید البشر کی قندیلیں روشن کیں۔ ان قندیلوں سے بکھرتے ہوئے نورِ مبین کا یہ اعجاز ہے کہ آج دنیا کے خطے پر اسی کروڑ مسلمان وارث لاالٰہ کی حیثیت میں موجود ہیں۔

برصغیر میں بھی یہ مسلم دانشور جذبِ قلندرانہ میں سرمست پہنچے۔ وقت کے ہر موڑ پر پامردی سے اسوۂ خیر الانام کے تابندہ و درخشندہ نقوش کفر و الحاد کی تاریکیوں میں لغزیدہ خرام افراد کی زندگی میں ابھار دیئے۔ ذاتِ واحد اور اسوۂ سید الابرار پر ایمان و یقین کی سرمستی میں ان اولیا و صلحاء نے یہاں اشاعتِ دینِ حق کا فریضہ انجام دیا۔ ان بزرگانِ ذی مقدار نے اسوۂ ختم الرسل کی روشنی میں برصغیر کی سرزمین پر جو اسلامی تہذیب کی اقدار واضح کیں وہ وہی اقدار ہیں جن کو خدائے ذوالجلال نے بنی نوع انسان کے لئے ذریعہ نجات قرار دیا۔ ان اقدار کو اپنائے بغیر پوری دنیا کے انسان من حیث الانسان ترقی یافتہ ہر گز نہیں گردانے جا سکتے۔ مادی ترقی کی کرشمہ سامانیاں انسان کے ظاہر کو تابدار بنا سکتی ہیں لیکن آدمی آدمیت کی بنیاد معاشرہ جب، وہ اصول نافذ نہیں کر سکتا، جو مساوات پر مشتمل ہوں۔ دیانت و امانت، عدل و انصاف اور آدمیت کی فطری وجاہت صرف اور صرف اسوۂ سید البشر میں ہے۔ لہٰذا اس صداقت کو تمام اولیاء اور علماء نے تسلیم کیا اور اپنے اپنے حلقۂ اثر و رسوخ میں نافذ کر دیا۔ برصغیر میں بھی جملہ اولیاء نے فکرِ بلند کی یہی قندیلیں روشن کیں جن کی روشنی میں اقبالؒ نے دینِ حق اور اسوۂ ختم الرسل کی آئینہ دار تہذیب کی احیاء کی غرض سے پاکستان کا تصور پیش کیا۔ لاالٰہ کی وارث قوم نے لاالٰہ کی اساس پر اپنا الگ ملک اپنے خون کی قربانیاں دے کر قائم کر دیا۔

اس ملک کی اساس برصغیر کے علماء اور اولیاء کے سوز و ساز اور سعی و جہد کے باعث قائم ہوئی اور ہم اس ملک کو مضبوط اور ترقی یافتہ بھی اسوۂ سید البشر کے وارث اولیاء اور علماء کے نقشِ قدم پر چل کر ہی بنا سکتے ہیں۔

جب تک ہم اپنے بزرگان کی حیاتِ مبارکہ پر تحقیق نہیں کریں گے اور اپنے اس روحانی، مذہبی اور تہذیبی سرمائے کو نئی نسل کے سامنے نہیں لائیں گے تو جوں جوں وقت گذرتا جائے گا وہ توں توں اپنے ان تاریخی کرداروں سے ناواقف ہوتی چلی جائیگی اور ان عظیم کرداروں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے گی۔

خواجہ خدا بخشؒ کی شخصیت بھی برصغیر میں ایک ولیِ کامل کی حیثیت سے بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ ہم نے آپ کی حیاتِ مبارکہ پر تحقیق کی غرض سے سال ۱۹۷۴ء میں "خواجہ خدا بخش اکیڈمی خیرپورؒ" کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی تاکہ برصغیر میں اولیا اور علماء نے جو اسلامی تہذیب کی مستحکم بنانے کے لئے کارنامے انجام دیئے انکو پوری تحقیق سے نئی پود کے سامنے لایا جائے۔ اس مقصد کے حصول کی غرض سے پچھلے سال بموقعہ عرس حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کا یوم منایا گیا۔ اس تقریب پر بہاول پور اور ملتان کے نامور شعراء نے شرکت کی اور خواجہؒ کے حضور میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ موجودہ سال میں بھی بموقعہ عرس دربارِ عالیہ پر مجلس مذاکرہ، مشاعرہ اور سماع کا مذکورہ اکیڈمی کے زیر اہتمام انعقاد عمل میں لایا گیا۔ جس میں بہاول پور کے فاضل اور دانشور حضرات نے خواجہ کی زندگی پر تحقیقی مقالے پڑھے۔ شعراء نے بھی اپنا کلام پیش کیا۔ وہ مقالے اور شعراء کا کلام ہم اس کتابچے کی صورت میں پیش کر رہے ہیں تاکہ ہماری موجودہ نسل اس سے استفادہ کر سکے۔

بہرحال خواجہؒ کی زندگی پر تحقیق سے برصغیر کے جملہ اولیاء و علماء کے مذہبی، روحانی اور علمی کارنامے سلسلہ وار سامنے آجاتے ہیں۔ یہ خجلت سے احساس ہوتا ہے کہ اسوۂ سید الانبیاء کے یہ وارث اور آیاتِ الٰہی کے نگاہ بان یہ درست صحیح کہ ہم میں موجود نہیں لیکن برصغیر میں ان کے ایمان افروز افکار اور انکے روحانی فیوض و برکات تو آج بھی موجود ہیں۔ کیا اُن کے ان کارناموں میں روحِ بلالی کی تڑپ نہیں؟ کیا اس تڑپ اور سوز و ساز نے اقبالؒ جیسے فلسفی کی نگاہ کو اپنی طرف نہیں کھینچا اگر یہ صحیح ہے تو پھر ہم جہاں یومِ اقبالؒ اور اسی طرح دیگر سیاسی زعماء کی یادیں منانے کا شرف حاصل کرتے ہیں وہاں ہم ان اولیاء کے یوم کیوں نہیں مناتے؟ کیا اس فقیرِ غیور نے ہم پر خودی کا راز افشاں نہیں کیا؟ کیا آدمی کی حقیقت اقبال کے ذہن میں ان قلندروں کی قلندرانہ تعلیم کی صدائے بازگشت نہیں؟ ؎

طلسمِ بود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پہ سخن

اگر ہے تو پھر ہم اپنے بزرگان کی مستحق کردار کو ان کی تعلیمات اور انکے طریق زندگی سے اپنی اس نئی نسل کو آگاہ کیوں نہیں کرتے؟ اسلام انفرادی اور اجتماعی ضابطۂ حیات کا نام ہے۔ یہ قلندر اور ولی اسلام کے انفرادی نظام کی عملی صورت بھی تھے اور اجتماعی بھی۔ لیکن اجتماعی نظام کو مضبوط بنانے کے لئے انفرادی نظام کو اپنی زندگیوں پر نافذ کرنے کے لئے ان بزرگان کے سنہری عملی نقوش کو موجودہ دور میں ابھارنا نہایت ضروری ہے۔ خانقاہیں ان کی یادگار ہیں جو ہمیں اپنی طرف اس لئے متوجہ کرتی ہیں کہ ہم اس خانقاہی لبادے میں مستور شخصیات کے کردار و عمل کو اپنا ورثہ بنا سکیں۔ لیکن ہم اس ضمن میں تساہل کا شکار ہیں۔ اس مملکت کا تصور پیش کرنے والے دانشور اقبالؒ نے اپنے انہی بزرگان کی روح کو یہ کہہ کر تسکین بہم پہنچائی کہ ؎

اب تیرا دور بھی آنے کو ہے اے فقیرِ غیور
کھا گئی روحِ فرنگی کو ہوائے زر و سیم

اب وہ دور آچکا ہے۔ آج ہم اُسی پاکستان میں ہیں جس کا تصور علامہ اقبالؒ نے ان بزرگان کی تعلیمات کے زیر اثر جذب و کیف میں پیش کیا۔ آج ہمیں اُن بزرگوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان کے جذب و شوق اور سوز و ساز سے اپنی موجودہ نسل کو آگاہ کرنا چاہیئے۔ جو اسوۂ سید البشر کے پاکیزہ خمیر سے اُٹھا اور پھر عشق کی تپش بن کر اُن کے جگر میں سوز و روح میں نورانیت بن چکا تھا۔

میں ان جملہ بزرگان کی خانقاہوں پر متمکن سجادگان کی توجہ بھی اسطرف مبذول کراتا ہوں۔ کہ وہ بھی ہماری اس گذارش پر توجہ دیں۔ ان ولی اللہ اور علماء کے علمی اور فکری سرمائے کو منظرِ عام پر لانے کا بندوبست کریں تاکہ ہماری موجودہ نسل اس عظیم قومی سرمائے سے محروم نہ رہ جائے۔

یہ گذارش صرف ہماری ہی نہیں بلکہ ان عالی ہمت خوب سیرت بزرگان کے خوبصورت روضے شب و روز ہم سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ ان کے جانشین ہونے کی حیثیت سے ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ کیوں پوری نہیں کی جا رہی ہیں؟ کیا ہم اپنی اولاد کو تقلید مغرب میں "ٹیڈی فارم" میں خراماں خراماں دیکھ کر خوش تو نہیں ہوتے؟ اگر ہمارا ضمیر اس کی تائید میں ہو تو پھر ہمیں یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ ہمارے ان آباؤ اجداد کے اس جذبۂ تعمیرِ ملت اور تعمیرِ کردار کے ذوق و شوق کا کیا بنے گا۔؟ وہ اسوۂ سید البشر کی منور قندیلوں کو اپنی ہتھیلی پر دھرے خوفناک طوفانوں میں قریہ قریہ پہنچے اور حیاتِ انسانی کو اس روشنی سے اجال دیا لیکن ہم تو اس نورِ مقدس سے اپنے گھر کی قندیل بھی روشن نہ کر سکے۔ آخر روزِ حشر کس منہ سے ہم ان کے سامنے جا سکیں گے؟ کیا زندہ قومیں اپنے قومی، ملی اور تہذیبی ورثے کو اسی طرح ضائع کر دیتی ہیں؟ کیا ہمارا ضمیر ہم سے یہ سوال نہیں کرتا کہ آخر کس طرح ہم اُنکے وارث ہیں؟ کاش ہمیں اپنی اس ضمیر کی اس چیخ و پکار کا احساس ہو جاتا اور ہم اس عزمِ راسخ سے میدانِ عمل میں اتر پڑتے اور برِ صغیر پاکستان میں ان ولی اللہ اور علماء و صلحاء کے جانشین آپس میں سر جوڑ بیٹھتے۔ اسلام کی روح، اسوۂ سید البشر کے ان متوالوں کے سنہری اور تاریخی کرداروں کو اجاگر کرنے کی غرض سے کانفرنسیں منعقد کرتے اور اس کام کو قومی سطح پر ایک منظم تحریک کی صورت میں جاری رکھنے کے لئے کوئی متفقہ اور مربوط لائحہ عمل مرتب کر سکتے تاکہ پاکستان اسلامی اخوت و برادری اور اخلاق کا ہو بہو نمونہ بن جاتا اور پھر ہمارے ان بزرگان کی روح اس مسرت میں جھوم جاتی کہ اُن کے وارث صحیح معنوں میں اُن کی وراثت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

محمد نواز انیس پیرزادہ
نائب صدر تصنیفات و تالیفات
خواجہ خدا بخش" اکیڈمی خیرپور

جائزہ

عرس مبارک حضرت خواجہ خدابخش رحمتہ اللہ علیہ کے مقررہ ایام سے ایک روز قبل مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۷۶ء کو آستانۂ عالیہ حضرت خواجہ خدابخش رحمتہ اللہ علیہ پر یوم خواجہ خدابخش ؒ کی تقریبات شایانِ شان طریق سے منعقد ہوئیں۔ پہلی نشست مجلس مذاکرہ کی تھی۔ اس نشست میں نامور و النشور علماء اور مقررین حضرات نے حضرت خواجہ خدابخش ؒ رحمتہ اللہ علیہ کی دینی خدمات علمی کارناموں اور انکی شخصیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ دوسری نشست محفلِ مشاعرہ تھی۔ جس میں ملک کے معروف شعراء نے صاحبِ آستانہ کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ تیسری نشست محفلِ سماع کی تھی۔ تینوں نشستوں میں اہل شہر، عقیدتمندوں اور مہمانوں نے بہت بڑی تعداد میں شرکت کی۔ خواجہ خدابخش اکیڈمی کی قابلِ قدر خدمات کی تعریف ہر کونے سے ہوئی اور اکیڈمی کے انتظامات کو سراہا گیا۔

"منارۂ نور" کی اس اشاعت میں یوم خواجہ خدابخش ؒ کی تقریبات میں پیش کیے جانے والے مقالات، ارشادات اور شعراء کرام کا عقیدت مندانہ کلام قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مجلس مذاکرہ میں جناب عبدالمجید کوثر نے "خواجہ صاحبؒ کے حالاتِ زندگی" کے موضوع پر ایک پرمغز مقالہ پیش کیا۔ آپ نے بتایا کہ حضرت خواجہ خدابخش رحمتہ اللہ علیہ کس علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کہاں پیدا ہوئے۔ کہاں تعلیم حاصل کی۔ کن بزرگانِ دین سے رشد و ہدایت کا فیض حاصل کیا، کہاں کہاں طالبانِ حق کی رہنمائی کی اور کیا دینی اور علمی خدمات انجام دیں۔ جناب عبدالشکور پیرزادہ نے "خواجہ صاحب اور کرامات" کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے اولیاءُ اللہ سے سرزد ہونے والی کرامات پر روشنی ڈالی۔ حضرت خواجہ خدابخش رحمتہ اللہ علیہ کی کرامات، معاشرے کی ضرورتوں اور اصلاحی تقاضوں کے حوالوں سے بیان کیں۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ کس طرح اولیاءُ اللہ کی کرامات بھٹکی ہوئی انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں۔ جناب جاوید اختر پیرزادہ ایڈووکیٹ نے "خواجہ صاحبؒ اور عشقِ رسول" کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ اولیاءُ اللہ بلند مراتب تک جبھی پہنچتے ہیں جب ان کی زندگی سراپا عشقِ رسول بن جائے۔ آپ نے حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کے واقعات کی مثال دے کر ثابت کیا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ آپؒ کے عاشقِ رسول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

پیرزادہ افضل نظامی ایڈووکیٹ نے "خواجہ صاحب بحیثیت عالم دین" کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ خواجہ صاحبؒ یقیناً باکمال عابد و زاہد تھے۔ آپ نے نہایت استقلال کے ساتھ سلوک کی منازل طے کیں۔ لیکن آپ کی شخصیت کا سب سے روشن پہلو یہی ہے کہ آپ ایک بلند پایہ عالمِ دین تھے۔ وحدت الوجود کے مسئلہ پر آپ کا رسالہ "توفیقیہ شریف" ایک شاندار تصنیف ہے۔ جس میں آپ نے وجودِ باری تعالیٰ کے اثبات اور قدرتِ حق کے مظاہرہ پر نہایت فاضلانہ بحث کی ہے۔ اگر ہیئتِ ترکیبی کے اعتبار سے معراج کا اطلاق اولیاءُ اللہ پر کیا جا سکتا تو "توفیقیہ شریف" کے مطالعہ کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت خواجہ خدابخش رحمتہ اللہ علیہ کو بھی حق تعالیٰ نے معراجِ عطا کی۔ عاشقِ رسول ہونے کی نسبت سے آپ اسوۂ رسولِ مقبول کے نہ صرف شیدائی تھے بلکہ بلکہ بدرجہ اتم پیروکار بھی تھے ایک بزرگ نے کہا تھا کہ اگر رسول اللہ کی سیرت کا مشاہدہ کرنا ہو تو حضرت خواجہ خدابخش کو دیکھ لو۔ آپ قرآن و حدیث اور فقہ کے جید عالم تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے عملاً ہزار ہا لوگوں کو علم دین پڑھایا اور سکھایا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کے خلفاء بھی علم و عمل کے درخشندہ مہر و ماہ تھے۔ پیرزادہ افضل نظامی نے اپنے موضوع کو خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا۔

ایک مقالہ راقم الحروف نے سرائیکی زبان میں پیش کیا۔ جس کا عنوان تھا "دین تے دنیا خواجے دی نظر وچ" جناب عاشق مصطفےٰ لیکچرر ایس ای کالج بہاول پور نے "خواجے کے متعلق میرے تاثرات" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا۔ اور بتایا کہ سرزمین خیرپور کو حضرت خواجہ صاحب کے قدوم میمنت لزوم نے رشکِ افلاک بنا دیا۔ اہلِ خیرپور کو حضرت موصوف کے ساتھ والہانہ عقیدت ہے اور آپ کا آستانہ عالیہ اہلِ خیرپور کے لئے وجہ افتخار ہے۔ "خواجہ صاحبؒ اور مسئلہ وحدت الوجود" کے موضوع پر جناب علامہ جار اللہ لیکچرر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور فاضلانہ خطاب کیا اور "توفیقیہ شریف" کی روشنی میں حضرت موصوف کا علمی مقام و مرتبہ بیان کیا۔ "مناقب اولیاء" کے موضوع پر حضرت مفتی غلام قادر نے نہایت مدلل طریق سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ اولیاء اللہ کی زندگی خدمتِ اسلام اور اطاعتِ رسول کے لئے وقف ہوتی ہے۔ وہ ہر حال میں راضی برضائے الٰہی ہوتے ہیں۔ انہیں باطل مرعوب نہیں کر سکتا۔ یہ اعلائے کلمۂ حق کیلئے ہر وقت سربکف رہتے ہیں۔ اشاعتِ اسلام انکا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے۔ ان کے دل لالچ اور طمع سے پاک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں سے محفوظ و مامون رکھتا ہے۔

"خواجہ صاحبؒ اور ان کا حسب و نسب" کے عنوان سے مشہور محقق اور دانشور جناب شہاب دہلوی نے ایک دلپذیر مقالہ پڑھا۔ جس میں بتایا گیا کہ بلند پایہ شخصیات کیلئے ان کا اچھے حسب و نسب سے ہونا ان کی عزت میں اضافے کا سبب نہیں بنتا اور نہ ہی عام انسان ہونا ان کی تکریم میں کمی پیدا کرتا ہے۔ بلکہ صرف اور صرف انکا کردار اور انکے کارنامے ہی انہیں عظیم بنا دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ خدا بخشؒ باکمال شخصیت کے مالک تھے اور انکی تربیت میں انکے علمی خاندان کے اثرات کارفرما تھے۔ آپ ایک مشہور صحابی رسول اور قریشی حضرت مصعب بن عمیرؓ کی اولاد میں سے تھے اور آپ کے خاندان میں دوسرے اکابر وقتاً فوقتاً ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے اور انہوں نے قابل قدر علمی خدمات انجام دیں۔ آپ کی قومیت کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ قریشی النسل تھے۔

مہمانِ خصوصی جناب صاحبزادہ عبدالرسول شیخ التاریخ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ حضرت خواجہ خدا بخشؒ ان بزرگوں میں سے تھے جن پر تاریخ فخر کرتی ہے۔ حضرت موصوف کا دور ہماری تاریخ کا روشن باب ہے۔ انہی بزرگوں کی دینی اور ملی خدمات کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان کے نام سے یہ عظیم اسلامی مملکت عطا کی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ شاگردوں میں سے تھے۔ آپ ان چار آدمیوں میں شامل تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ کا مکتوب احمد شاہ ابدالی کے پاس لے گئے اور جس کے نتیجے میں برصغیر ہندو پاک کی تاریخ نے ایک خوبصورت موڑ لیا تھا۔

آخر میں صدرِ تقریب جناب عبدالمجید پیرزادہ صدر خواجہ خدا بخش اکیڈمی خیرپور نے صدارتی خطبے میں حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر اور انکی سیرت پر فاضلانہ انداز سے روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس مقصد کے لئے حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا تھا اور جو ذمہ داریاں آپ پر ڈالی تھیں۔ حضرت خواجہؒ صاحب ان سے بخیر و خوبی عہدہ برا ہوئے اور اشاعتِ اسلام کا مقدس فریضہ پوری تندہی اور توجہ سے انجام دیا۔ اور ملک کے طول و عرض میں فیوض و برکات کے چشمے جاری کر دیئے۔

اس نشست میں دو اور مقالے پیش کئے جانے والے تھے جو وقت کی کمی کے باعث پیش نہ کئے جا سکے۔ ان میں ایک مقالہ جناب پیرزادہ محمد نواز انیس کا تھا۔ جس کا عنوان تھا "خواجہ خدا بخشؒ اور اصلاحِ معاشرہ" یہ مقالہ

"مینارۂ نور" کی زیرِ نظر اشاعت میں شامل کیا جا رہا ہے۔ محمد نواز انیس پیرزادہ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کہنہ مشق اہلِ قلم میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے علمی اور ادبی مقالہ جات ملک کے ادبی جرائد میں چھپتے رہتے ہیں۔ آپ "توصیفیہ" کے مصنف ہیں۔ آپ کو ہمہ قسم کے علمی مسائل پر پورا پورا عبور حاصل ہے۔ بہت لکھتے ہیں اور بے تکان لکھتے ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود پر حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "توفیقیہ" کی روشنی میں آپ نے اپنی تصنیف "توصیفیہ" میں قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود پر قلم اٹھانے کی سعادت بہت کم اہلِ قلم کو نصیب ہوتی ہے۔ ویسے بھی یہ حوصلے کا کام ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ایک بھی لفظ زیادہ یا کم لکھنے سے جہاں حقائق متاثر ہوتے ہیں وہاں ایمان کی دولت کے ضائع ہو جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ محمد نواز انیس پیرزادہ نے تاریخِ اسلام، بزرگوں کے فرمودات اور دوسرے دانشوروں کے نظریات کو مدِ نظر رکھ کر قوتِ ایمانی کے زور پر اس مسئلے پر بحث کی ہے اور اسے ان لوگوں کے لئے بھی سہل بنانے کی کوشش کی ہے جو اس نازک مسئلے سے دور بھاگتے ہیں۔

زیرِ نظر مقالے میں محمد نواز انیس پیرزادہ نے معاشرے کے اجزائے ترکیبی پر بحث کی ہے۔ معاشرہ کیا ہے، کیسے وجود میں آتا ہے۔ وہ کیا عمل ہے جس سے معاشرے میں آسودگی محسوس ہوتی ہے اور وہ کیا وجوہات ہیں جن سے معاشرہ بے اطمینانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اصلاحِ معاشرہ کیوں ضروری ہے۔ اس بارے مشیّتِ ایزدی ہمیں کیا مواقع فراہم کرتی ہے اور ہم کس طرح معاشرے کے کل پرزوں کو صحت مند طریقے سے استعمال میں لا سکتے ہیں۔ خدا نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ انبیاء بھیجے، کتابیں نازل کیں اور اپنے نیک بندوں کو اس فرض پر مامور کیا کہ وہ نہ صرف معاشرہ میں ان اقدار کا پرچار کریں بلکہ انہیں جاری کریں۔ جن سے معاشرہ بلا تفریق ہر شخص کیلئے سودمند ثابت ہو۔ پھر وہ کیا عوامل ہیں جن سے معاشرے میں اصولوں اور اکائیوں کو مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور نتیجتاً "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کی مصداق جبر اور مجبوری میں لامتناہی جنگ شروع ہو جاتی ہے اور فسادِ آدمیت انسان کو اس مقام پر لے جاتا ہے۔ جہاں رشتوں کی پاکیزگی دم توڑ دیتی ہے۔ لوٹ کھسوٹ شعار بن جاتا ہے اور انسان اصولوں اور اکائیوں ہی سے نہیں خدا سے بھی سرکش ہو جاتا ہے۔ محمد نواز انیس پیرزادہ نے حضرت خواجہ رحمت اللہ علیہ کی زندگی کے واقعات و حالات کو سامنے رکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب ان اعلیٰ اقدار کے علمبردار تھے جو اصلاحِ معاشرہ کیلئے لازمی اور لابدی ہوتی ہیں۔ حضرت خواجہ نے نہ صرف اس مرض کی تشخیص کی بلکہ اس کے علاج کیلئے ہمہ وقت وقف ہو کر رہ گئے۔ آپ نے نہ صرف عبادات کی تلقین کی بلکہ تزکیۂ نفس پر بھی زور دیا اور دلوں سے آلائشیں دھو ڈالیں۔ آپ نے اسوۂ رسول کی پیروی کرتے ہوئے دکھوں کے غم بانٹے۔ مشکل وقت میں ان کی امداد کی۔ لوگوں کے ذاتی جھگڑے نمٹانے پر توجہ دی۔ [illegible] کو کہا۔ مجبوروں کی دلجوئی کی۔ حتیٰ کہ ہر وہ قدم اٹھایا جس سے معاشرہ اپنے اندر خوبیوں کو جذب کرے اور برائیوں کو نچوڑ نچوڑ کر باہر پھینک دے۔ پیرزادہ محمد نواز انیس نے موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔ اس طرح حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی زندگی کے وہ گوشے بھی آنکھوں کے سامنے آ گئے ہیں جنہیں ہم سرسری نظر میں نہیں دیکھ سکتے۔ [illegible] بھی پیرزادہ انیس کے قلم کا کمال ہے۔

دوسرا مقالہ جو پیش نہ کیا جا سکا۔ جناب پیرزادہ مختار احمد کا تھا۔ جس کا عنوان تھا "ایک تعریف" اس مقالے کو اس اشاعت میں شامل کرنا نہایت ضروری تھا۔ اس سے بہت ساری غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا۔

CS CamScanner

…رت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے موجودہ اہلِ خاندان کی دینی اور علمی خدمات ایک خاندانی پس منظر کے حوالے کے باعث زیادہ نمایاں ہو جاتی ہیں۔

زیرِ نظر اشاعت میں جناب بریگیڈیئر نذیر علی شاہ کا "… انقلابی عرس" بھی شامل ہے۔ اس میں انہوں نے عرس مبارک کی مقصدیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یوم خواجہ خدا بخشؒ کی تقریبات نے ثابت کر دیا ہے کہ عرس مبارک کا انعقاد جذبہ ایمانی کی تازگی اور ملی تقاضوں کی تکمیل کے لئے نہایت ضروری ہے۔

خواجہ خدا بخش اکیڈمی۔ نے مختصر وقت میں اپنی علمی اور ادبی کاوشوں کے ذریعے بزرگانِ کرام کے کارہائے نمایاں کی تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے کر دی ہے اور ہمیں تقلید کی ترغیب دی ہے۔

منارۂ نور کی پہلی اشاعت کے بعد اکیڈمی نے ایک کتاب "الحیں دے بھگارے" (جو راقم الحروف کے سرائیکی کلام پر مشتمل ہے) شائع کرائی ہے۔ انشاء اللہ عنقریب جناب محمد نواز انیس پیرزادہ کی توصیفیہ" اپنی کی دوسری تصنیف ترجمہ "توضیحیہ شریف" اور جناب عبدالمجید پیرزادہ کی تصنیف "ترجمہ سرِ دلبراں" بھی پیش کر دیا جائے گا۔ جو چند مالی مجبوریوں کے تحت ابھی تک منظرِ عام پر نہیں لائی جا سکیں۔

رشید عثمانی
معتمد
خواجہ خدا بخش اکیڈمی خیرپور شریف

رشید عثمانی …

شوق لے آیا ہے مجھ کو تیرے میخانے میں کہ — بھر دے ساقی مئے عرفان میرے پیمانے میں
کر دے خواجہ مجھے سرشار شرابِ حق سے — تا کہ میں آؤں نہ شیطان کے بہکانے میں
در و دیوار ہو اللہ و احد کہہ اٹھیں — انقلاب آئے میرے دل کے صنم خانے میں
الجھنیں اور بڑھی جاتی ہیں میری خواجہ — عمر گزری ہے مری گو انہیں سلجھانے میں
ل خیر آج بھی کر سکتے ہیں تقلیدِ خلیل — شر ہے مصروف اگر آگ کو بھڑکانے میں
لوگ تو سنگِ ملامت سے نوازیں گے ضرور — خوبیاں جتنی ہوں چاہئے ترے دیوانے میں
عمر بھر آپ کو حاصل رہی حق کی تائید — پیش پیش آپ رہے کفر کو جھٹلانے میں
آپ کے قدموں کی برکت سے ہے رونق ہر سو — شہر آباد کیا آپ نے ویرانے میں
انعنت … اس کارسائی پہ ہو گو وہ چاہیں — نارسائی کی ہیں باتیں مرے افسانے میں
کل: باتیں گے ابھی تجھ پہ یہ اسرار رشید — ابھی کچھ وقت لگے گا تجھے سمجھانے میں

CamScanner

عبدالمجید پیرزادہ
صدر اکیڈمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ

ترجمہ:- یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے

جناب مہمانِ خصوصی اور سامعینِ محترم!

آج کی اس مقدس تقریب میں ہماری دعوت پر جو اہلِ قلم حضرات تشریف لائے ہیں اور جن عزیز سامعین نے زحمتِ گام فرسائی فرما کر اس تقریب کو رونق بخشی ہے۔ میں صمیمِ قلب سے ان کا سپاس گذار ہوں۔ خصوصاً میں عقیدت مند مہمانِ خصوصی جناب صاحبزادہ سید الرسول صاحب کا بے حد ممنون اور مشکور ہوں کہ انہوں نے ہماری دعوت کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر آج کی اس تقریب میں تشریف لانے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ آپ کی تشریف آوری فی الحقیقت ہمارے لئے باعثِ صد افتخار ہے۔ میں اس مجلس میں شمولیت کرنے والوں کیلئے دیدہ و دل فرشِ راہ کرتا ہوں۔

آپ جو تشریف لائے ہیں اس بزمِ مقدس میں
کرم ہے خلق ہے احسان ہے بندہ نوازی ہے

آج ہم ایک ایسے شیخِ کامل اور صاحبِ دل بزرگ کے آستان پر جمع ہیں جن کے قلب کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص فرما دیا اور جنہیں مغفرت فرما کر اجرِ عظیم کا مستحق قرار دیا۔ جیساکہ مذکورہ آیتِ کریمہ سے واضح ہے۔ حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت بھی ایسے ہی مردِ کامل تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی خدمت، اور شریعتِ مطہرہ کی پابندی اور اس کی تبلیغ کا فرض سرانجام دینے کے لئے منتخب فرمایا اور جن کے قلب کو شرک، نافرمانی اور بغاوت و معصیت سے مبرّا فرمایا تاکہ وہ امتِ مسلمہ کے بھٹکے ہوئے راہیوں کو نشانِ راہ دکھا سکیں۔ مقصدِ حیات سے بے خبر اور ناآشنا لوگوں کی فکری اور عملی اصلاح کیطرف توجہ دلا سکیں۔ جن لوگوں کے قلوب و اذہان پر مادہ پرستی کا غلبہ ہو رہا ہے انہیں محبتِ الٰہی اور اتباعِ رسول کا احساس دلا سکیں۔ الحاد و بے دینی اور فواحش کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں دین کی شمع روشن رکھ سکیں۔

ممکن ہے کہ آئے کوئی بھٹکا ہوا راہی
میں ظلمتِ شب میں کوئی قندیل جلا لوں

الحمدللہ کہ حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت کو باری تعالیٰ نے جس مقصد کے لئے منتخب فرمایا آپ نے اس پر پورا اتر کر اپنی عمر دینِ اسلام کی سربلندی، علم و فضل کی ترویج اور سلوک و تصوف کے اصولوں پر پابندی کیلئے وقف فرما دی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

حق سبحانہٗ تعالیٰ جن لوگوں کے دلوں کو تقویٰ کیلئے مخصوص فرما دیتا ہے۔ وہی لوگ سلوک و ہدایت اور تقویٰ کے بلند مدارج پر فائز المرام ہوتے ہیں مگر اس مقام تک پہنچنے کیلئے ان بزرگان کرام کو اپنے آئینۂ قلب کو شفاف اور بے داغ بنانا پڑتا ہے۔ جب تک قلب سلیم پیدا نہ ہو اس مقام تک پہنچنا بڑا دشوار ہو جاتا ہے۔ قلب سلیم پیدا کرنے کے لیئے مفکرین نے دو شرطیں بتائی ہیں۔ اول صحت از امراض۔ قرآن حکیم نے قلب کے امراض کفر، شرک اور خواہشاتِ نفسانی کے اتباع کو قرار دیا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح پہنچائی جائے اور قلب کیلئے غذائے صالح ذکرِ الٰہی سے میسر آتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علاجِ قلب اور غذائے قلب کا ملیں اور عارفین کے فیضان کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت کو جب علاجِ قلب کے لئے حضرت خواجہ نور محمدؒ قبلہ عالم اور حضرت جمال اللہ ملتانی جیسے معالج کا دستِ شفقت میسر آگیا تو آپ کندن بن گئے اور سلوک و ہدایت میں مراتبِ بلند حاصل کر لیئے۔ آپ نہ صرف ولیٔ کامل تھے بلکہ بہت بڑے عالمِ دین بھی تھے۔ ایک عالمِ دین جب پوری طرح باعمل ہو اور شریعتِ مطہرہ پر پوری طرح پابند ہو تو اسے وارثِ انبیاء شمار کیا جاتا ہے۔ آپ تو خدا کی عنایت و کرم سے عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیٔ باصفا اور ولیٔ کامل تھے۔ اولیائے کرام کے مرتبہ مناصب اور مناقب کے بارہ میں علماء کرام بڑا سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے مگر میں شانِ اولیاء میں مولانا روم کے یہ اشعار پیشِ سامعین کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
اولیاء را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گردانند ز راہ
ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا — او نشیند در حضورِ اولیاء

سامعینِ محترم! حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت نے اپنی زندگی عبادت و ریاضیت، مجاہدہ اور اتباعِ شریعت میں گزار دی۔ آپ غیر اللہ سے بے نیاز، پسندیدہ افعال و اخلاق کے معبودِ حقیقی کی رضا پر راضی رہنے والے درویش تھے اور قرآن حکیم کو ایک مکمل ضابطۂ حیات سمجھتے تھے اور سختی سے اس نسخۂ کیمیا پر کاربند تھے۔ ؎

مومناں را تیغ با قرآن بس است
تربتِ ما را ہمیں سامان بس است

حضرت ابوالحسن نوری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ لوگ ہیں جن کی ارواح بشریت کی تاریکیوں اور نفسانی خواہشوں سے پاک و صاف ہو گئی ہوں۔

حضرت شبلیؒ کا ارشاد ہے کہ صوفی دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو نہیں دیکھتا اور جب غیر اللہ کو نہیں دیکھتا تو اپنی نفی اور اثبات میں اپنی ذات سے بیگانہ و بے خبر ہو جاتا ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اس نظریہ کی ترجمانی کچھ یوں کی ہے کہ ؎

مردِ حق بیں جز بحق خود را نہ دید
لا الٰہ گفت و در خون مے تپید
عشق را در خون تپیدن آبروست
ارہ و چوب و رسن عیدِ اوست

ابو علی قزوینی رقمطراز ہیں کہ تصوف پسندیدہ اخلاق و افعال کو کہتے ہیں۔ اور اخلاق و افعال پسندیدہ یہ ہیں کہ بندہ تمام حالات میں خدا کی رضا پر راضی رہے۔

اگر ہم حضرت خدا بخش علیہ الرحمت کو مذکورہ محققین کے ارشادات پر پرکھیں تو ہم انہیں ان تمام اوصاف حمیدہ پر پورا اترتا پائیں گے۔ آپ نے اپنے آپ کو اتباع رسول کے سانچہ میں اسطرح ڈھالا کہ آپ ایک نمونہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا کہ حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت کو اللہ تعالیٰ نے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لایا اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو رہبری اور رہنمائی اور رشد و ہدایت کی شمعیں روشن کرنے کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ جیسا کہ فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ

اللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ایمان داروں کا دوست ہے اور انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے"

اولیائے کرام کے قلوب جب صاف اور محبت الٰہی میں غرق ہو جاتے ہیں تو ان سے خرق عادت کرامات کا ظہور ہونا کوئی اچنبھا نہیں بلکہ جسطرح انبیاء علیہ السلام کے معجزات پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اولیائے کرام کی کرامات سے بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ بزرگانِ دین کی کرامات پر قطعی حیرت و استعجاب نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ جب یہ مردانِ حق اپنے آپ کو حق تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار بنا دیتے ہیں تو پھر سارا جہان انکا مطیع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو درجۂ محبوبیت عطا ہی اس وقت فرماتا ہے جبکہ ان کو قلب سلیم اور اتباعِ محمدی کی نعمت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ جونہی وہ ان دونوں نعمتوں سے سرفراز ہوئے کشف و الہام اور کرامات و القائے رحمانی سے ان کو نواز دیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ کرامات کا ظہور کوئی وجہ فخر بن جائے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا ارشاد ہے کہ "یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی ہوا میں اڑے، پانی پر چلے اسکے لئے آسمان اور زمین کی طنابیں کھنچ سکتی ہیں۔ مگر وہ اس وقت تک درجۂ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی گفتار و کردار سے سرورِ کائنات فخر موجودات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش کا اتباع نہ کرے"

حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ سے کرامات کا صدور بڑی کثرت سے ہوتا تھا۔ مگر ان کے لئے وجہ فخر و مباہات صرف یہ بات تھی کہ وہ اتباعِ محمدی کا منہ بولتا نمونہ تھے۔

سامعین محترم

آپ میرے اس نظریہ سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔ میں تو آج بلا خوف تردید کہوں گا کہ ان بزرگانِ دین کی حیاتِ طیبہ اور تعلیمات کو اسلامی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ کا کوئی طالب علم جب اسلام کا ایک مذہبی تحریک کی حیثیت سے مطالعہ کریگا تو اسے خلفائے راشدین کے بعد انہی بزرگوں کی حیات طیبہ کیطرف رجوع کرنا پڑیگا۔ کیونکہ یہ بزرگ دینی تاریخ کا ایک جزو لاینفک بن گئے ہیں۔ اگر انکی زندگیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو اسلام کی مذہبی تاریخ میں خلا پیدا ہو جائے بلکہ اسلام کی دینی نشوونما کا صحیح مطالعہ بھی ناممکن ہو جائے۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را کے مصداق آج ہم نے اس شیخ کامل کے آستان پر اس مجلس کا اہتمام کیا ہے تاکہ بزرگانِ دین کی تعلیمات کو اجاگر کرنے اور ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ عزم کہ ان بزرگان نے جو قندیلیں روشن کی تھیں۔ انہیں ہم بھی روشن رکھنے کا اہتمام کریں۔

چنانچہ خواجہ فرید بخش اکیڈمی نے گذشتہ اجلاس کی کاروائی ایک BOOKLET کی شکل میں طبع کروائی ہے۔ جناب نواز انیس نے بڑی محنت اور کاوش سے "توصیفیہ" کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے جو جلد ہی طبع ہونے والی ہے۔ مجھے مشہور کتاب "سرِ دلبراں" کے ترجمہ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور نواز انیس خواجہ صاحب کی کتاب توفیقیہ کا ترجمہ فرما رہے ہیں اور دوسرے سالانہ اجلاس کی پہلی نشست کی کاروائی آج آپ کے سامنے ہے۔ اس میں نامور اہلِ قلم حضرات نے اپنے رشحاتِ قلم سے خواجہ صاحب کو جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ وہ لائقِ تحسین ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ اس تقریب کے انعقاد میں ہم سے کئی کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں۔ تاہم اس نظریہ سے کہ ؏

کوشش تو کریں کوشش ناکام سہی

یہ پروگرام ترتیب دیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اس مقصد میں کامیاب رکھے۔ اور جن حضرات نے قدمے، سخنے، دامے، درمے ہمارے ساتھ تعاون فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

میں جناب سجاد ترمذی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس مقدس تقریب کو ریکارڈ کرنے کے لئے ریڈیو پاکستان کی ٹیم مامور فرمائی۔ میں بہاول پور کے صحافتی دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے ہماری تقریب میں شرکت فرمائی اور اپنے تمام رفقائے کار کا خاص طور پر مشکور ہوں۔ جن کی کاوشوں سے یہ تقریب منعقد ہوسکی۔

ریاضؔ رحمانی

میخوار منتظر ہن اج میکدے دے در تے
ہے مہرباں ساقی ڈیندا ہے جام بھر تے
اتھو دل دا درد ونڈیندے دل ٹھرے تے درد گھن گھن
ایہہ جنس بے بہا ہے اج ڈیکھو سودا کر تے
بیشک ولی بشر ہن پر عظمتاں تاں ڈیکھو
ڈیوِن ملک سلامی آندن انہاں دے در تے
پتھر کوں جوڑے سونا پارس نظر انہاں دی
سڑے نصیب جاگن ڈیکھن جے دید بھر تے
خواجہؒ دے آستاں وچ رب دا تجلے ڈسدے
ہر شخص کینویں ڈیکھے موقوف ہے نظر تے
اے شخص خیر پیوے خواجہؒ دی آم شامے
ایہہ مصرعہ لکھ ڈیوا ہے یار دمیڈی قبر تے
بدکار ہاں نگر ہاں ہمسایہ ہک ولی دا
جیہندیں وی کول رہنداں دفنیساں کول مر تے
دریا دے رخ موڑیندیں اجڑیاں دھڑاں وسیندیں
رب دے فقیرا تیڈی شاہی بحر و بر تے
واہ وا ریاضؔ نیڈے کیا بخت ہن سولے
جوڑیا ہے تیں گریڑا خواجہؒ دی رہگذر تے

مسعود حسن شہاب
دہلوی

حضرت خواجہ خدا بخشؒ کا حسب و نسب

جوہر ذاتی حسب و نسب سے بلند و بالا شے ہے۔ حسب و نسب کے سہارے کی اس کو ضرورت ہوتی ہے جو اپنی ذات میں کوئی خوبی نہ ہو۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے بھی معاشرہ میں معزز و مفتخر وہی ہوتا ہے جو اپنے اعمال میں سے افضل و برتر ہو۔

فی الحقیقت نسب ایک اضافی چیز ہے اور یہ صرف شخصی پہچان کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر کوئی شخص اخلاقی اعتبار سے پست اور ذاتی حیثیت سے غیر پسندیدہ ہے تو اس کا خاندانی و نسبی افتخار اس کو بلند و پسندیدہ نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی شخص اپنے علم و فضل اور اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے قابل قدر ہے تو اس کی نسبی پستی اس کے مرتبہ کو گھٹا نہیں سکتی۔ ہاں اگر ذاتی محاسن اور شخصی خوبیاں کسی میں موجود ہوں تو پھر اعلیٰ خاندان کی نسبت بھی اس میں چار چاند لگا دیتی ہے اور خود خاندان و نسب کو بھی اس ذات کی نیک نامی سے فائدہ پہنچتا ہے۔

حضرت خواجہ خدا بخشؒ انہی ہستیوں میں سے ہیں۔ جن پر خاندان و نسب فخر کرتے ہیں اور ان کی ذات کو حسب و نسب کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر خواجہ صاحب کا تعلق کسی ادنیٰ گھرانے سے بھی ہوتا یا نسبی اعتبار سے وہ کسی غیر معروف خاندان سے تعلق رکھتے تو بھی ان کے ذاتی محاسن اور شخصی اوصاف ایسے ہیں کہ ان پر مجہول النسبی کی تہمت اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ ویسے بھی خواجہ صاحب نے علمی دنیا میں جو نام پیدا کیا۔ انسانی اقدار کو جو منزلت بخشی اور روحانیت میں جو اعلیٰ مراتب حاصل کئے وہ ان کی عظمت کیلئے کافی ہیں۔ تاہم یہ دور چونکہ تحقیق و تدقیق کا ہے اور محققین کیلئے بال کی کھال نکالنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے اس لئے اگر تحقیقات کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے خواجہ صاحب کی شخصیت کے اس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔

خواجہ صاحب کے خاندان کے متعلق اب تک جتنی باتیں کہی جا رہی ہیں وہ نہ صرف یہ کہ حقیقت سے دور اور سطحی نوعیت کی ہیں بلکہ تضاد بیانی کی بھی آئینہ دار ہیں۔

جوہر ذاتی حسب و نسب سے بلند و بالا شے ہے نسب و حسب کے سہارے کی اسکو ضرورت ہے، جسکی اپنی ذات میں کوئی خوبی نہ ہو۔

ایک روایت یہ ہے کہ خواجہ صاحبؒ کا تعلق قوم ملن ہانس سے تھا۔ چنانچہ خواجہ امام بخش گلشن ابرار میں لکھتے ہیں۔ کہ آپ خود اپنے والد کی زبانی فرماتے تھے کہ قوم ملن ہانس سے ہیں۔ یہ روایت اس حد تک درست ہے کہ آپ کے والد مولوی جان محمد کی شادی ملنیہ کے جس خاندان میں ہوئی تھی وہ قوم ملن ہانس سے تعلق رکھتا تھا۔ یعنی آپ کا سلسلۂ مادری

قوم ملتہاس سے ملتا ہے۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ نسب باپ سے چلتا ہے ماں سے نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ قریشی النسل تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مصعب بن عمیرؓ سے جا ملتا ہے۔ بعض مستند قلمی نسخوں سے یہ ثابت ہے کہ سندھ پر محمد بن قاسم کے حملے کے وقت آپ کے خاندان کے بعض افراد سندھ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے سندھ سے ترک سکونت کر کے ملتان میں رہائش اختیار کی۔ جب محمود غزنوی نے قرامطیوں کے استیصال کے لئے ملتان پر حملہ کیا تو اس خاندان کے بعض افراد یہیں مقیم تھے اور انہوں نے قرامطیوں کی سرکوبی میں سلطان کی مدد کی تھی۔ اس سلسلے میں آپ کے جدِّ امجد خواجہ حسن ملتانی کا نام اکثر تذکروں میں آتا ہے۔ جنہوں نے اس موقع پر شمشیر زنی کے ایسے جوہر دکھائے کہ سلطان محمود غزنوی کی فوج بھی عش عش کر اٹھی۔ ان کی اس شجاعت اور بہادری سے متاثر ہو کر ملتان کی مہم سر کرنے کے بعد سلطان نے انہیں ملتان کا گورنر مقرر کیا۔

خواجہ صاحب کا خاندان اگر معمولی اور ادنیٰ حیثیت کا ہوتا تو اسے وہ مرتبہ یا اعزاز نہ ملتا جو ہر دورِ حکومت میں اسے حاصل رہا ہے۔ "گلشنِ ابرار" میں درج ہے کہ سات پشت سے آپ کے خاندان میں علم و فضل چلا آتا ہے۔ آپ کے خاندان میں تواتر کے ساتھ علم و فضل کا پایا جانا اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ خواجہ صاحب عالی نسب تھے۔ شجاعت و فطانت کی روایات بھی آپ کے خاندان سے منسوب چلی آتی ہیں اور یہ صفات ایسی ہیں جو عام کم حیثیت کے خاندانوں میں نہیں ملتیں۔

"گلشنِ ابرار" میں آپ کا جو سلسلۂ نسب درج ہے وہ یہ ہے۔

"مولانا خدا بخش ولد مولوی جان محمد ولد مولوی عنایت اللہ ولد مولوی حسن علی ولد مولوی محمود ولد مولوی محمد اسحاق ولد مولوی عسلاؤ الدین ...

اس نسب نامہ میں جو نام دیئے گئے ہیں۔ ان کو دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحبؒ کے افرادِ خاندان مختلف ادوار میں اعلیٰ اور جلیل القدر عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ شیر شاہ سوری، قطب الدین ایبک اور شہنشاہ جہانگیر نے انہیں مناصب بھی دیئے تھے اور جاگیریں بھی۔ جب ناصر الدین قباچہ نے قطب الدین ایبک کے خلاف سرکشی کی تو اس خاندان نے قطب الدین ایبک سے اپنے تعلقات کے باعث قباچہ کا ساتھ نہ دیا۔ جس کی پاداشت میں قباچہ نے سندھ اور ملتان پر قبضہ کرنے کے بعد اس خاندان کی تمام جائیداد ضبط کر لی۔ یہی افتاد ملتان سے اس خاندان کی ہجرت کا باعث ہوئی۔ یہاں سے ہجرت کر کے اس خاندان نے ضلع ہزارہ میں پناہ لی۔ شہنشاہ جہانگیر سریر آرائے سلطنت ہوا تو یہ خاندان ضلع ہزارہ سے تلنبہ آگیا۔ وہ اس خاندان کا بڑا قدر دان تھا۔ چنانچہ اس نے اس خاندان کے ایک بزرگ قاضی علاؤ الدین کو تلنبہ کا قلعہ سپرد کیا۔ اور دس ہزاری کا منصب دیا۔ شاہ عالم ثانی کے عہد تک یہ منصب اس خاندان میں رہا۔ خواجہ صاحب کے دادا مولوی عنایت اللہ آخری منصب دار تھے۔ جو ۱۱۹۱ھ میں اس سے دست کش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔

خواجہ صاحب کے ایک بزرگ مولوی محمود بھی ولی کامل تھے۔ ان کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ قرآن حکیم کے علاوہ صحیح بخاری بھی حفظ تھی۔ گلشنِ ابرار میں ان کے خوارقِ عادات کے سلسلہ میں یہ واقعہ درج ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے پاؤں کو بوسہ دیتا تو اس پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی تھی اور وہ رقص کرنے لگتا تھا۔

حضرت خواجہ خدا بخشؒ کی ولادت مولانا قاضی جان محمدؒ کے ہاں تلنبہ میں ۱۱۵۰ھ میں ہوئی۔ "انوارِ جمالیہ" میں لکھا ہے کہ آپ کے والد بہت بڑے عالم، متقی اور پرہیز گار تھے۔ انہی کی آغوش میں آپ نے ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ مزید

تحصیل علم کے لیئے والدِ گرامی کے ایما پر دہلی تشریف لے گئے۔ اور مدرسہ رحیمیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ دہلی میں قیام کے دوران تحصیل علم کے ساتھ آپ کو مشائخ دہلی سے استفادہ کا بھی موقع ملا۔ اسی زمانہ میں آپ نے ایک ایسا کام انجام دیا جو برصغیر کے مسلمانوں کی قسمت بدلنے کا موجب ہوا۔ واقعہ یہ تھا کہ ان دنوں مرہٹوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ اور وہ پورے ہندوستان پر قبضہ جمانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اس صورتِ حالات سے سخت پریشان تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر مرہٹوں کو بروقت نہ روکا گیا تو ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہو کر رہ جائے گا چنانچہ انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو ان حالات سے باخبر کرکے مسلمانوں کے لیئے اس کی حمایت حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس غرض کیلئے جو وفد ترتیب دیا گیا۔ اس سرخیل خواجہ خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ کو مقرر کیا گیا۔ آپ شاہ ولی اللہ کا مکتوبِ گرامی لے کر وفد کے ہمراہ احمد شاہ ابدالی کے پاس غزنی گئے۔ یہ انہی مساعی کا نتیجہ تھا کہ مرہٹوں کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی۔ اور مسلمان مرہٹوں کی دستبرد سے بچ گئے۔

خواجہ صاحبؒ کا یہ کارنامہ اگر ان کے خاندانی پس منظر میں دیکھا جائے تو زیادہ محیر العقول معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ حق کوشی، جرأت و بہادری اور فطانت جو ان کو ورثہ میں ملی تھی۔ یہ واقعہ اسی کا مظہر ہے۔

خواجہ صاحبؒ دہلی سے تحصیل علم کے بعد واپس تلمبہ تشریف لے آئے اور والدِ گرامی کی حیات تک وہیں رہے۔ آنکی وفات کے بعد وہاں سے نقل مکانی کرکے ملتان میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور ملتان کے محلہ کمہاراں میں رہائش اختیار کرکے مسند درس و تدریس آراستہ کی۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ کے درس کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی اور طالبان علم کھنچ کھنچ کر آپ کے پاس آنے لگے۔ ایک روایت کے مطابق چالیس سال تک آپ نے ملتان میں قرآن و حدیث کا درس دیا اور اس عرصہ میں ہزاروں مخلوق خدا آپ کے علم و فضل سے مستفیض ہوئی۔ چنانچہ مولانا عبد الحئی نے "نزہتہ الخواطر" میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ خدا بخشؒ شیخ العالم عصر حاضر کے مشائخ میں سے تھے۔ اور ان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا۔

خواجہ صاحبؒ کے روحانی مرتبہ کا بھی حال سنتے چلیئے۔ آپ کی بیعت تو قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفۂ مجاز حضرت حافظ جمال ملتانیؒ سے تھی۔ لیکن فیض روحانی آپ نے براہ راست حضرت قبلہ عالم سے ہی نہیں اپنے دادا پیر حضرت فخرِ جہاں دہلوی سے بھی حاصل کیا تھا اور انہیں کی ایما پر حافظ جمال ملتانیؒ نے آپ کی بیعت حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ کی خانقاہ مبارک کے سامنے کی تھی۔

آپ کی بیعت سے پہلے کافی عرصہ ایسا گذرا تھا کہ علاقۂ ملتان میں سہروردی اثرات کے مقابلہ میں کسی اور سلسلہ کا چراغ نہیں جلتا تھا۔ یہاں تک کہ چشتیہ سلسلہ کا فروغ بھی اسی وجہ سے رکا ہوا تھا کہ کوئی بزرگ یہاں سہروردی سلسلہ کے علاوہ کسی اور سلسلے میں بیعت کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ حضرت خواجہ فخر جہاں نے حضرت قبلہ عالم سے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے کسی مرید کو کہیں کہ ملتان میں سہروردی درگاہ کے سامنے لوگوں سے بیعت لیں۔ کیونکہ ملتان میں ولایت اب ان کو منتقل ہو گئی ہے چنانچہ اس کام پر حضرت حافظ جمال مامور ہوئے۔ اور اس تاریخی بیعت کے لیئے انتخاب حضرت خواجہ خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ کا ہوا۔ گویا جس بزرگ کے حسب و نسب کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی نہ صرف اپنی خاندانی عظمت مسلم تھی بلکہ وہ خانوادۂ چشتیہ کا بھی فخر تھا۔

خواجہ صاحبؒ کی موجودگی میں سکھا شاہی مظالم و دلیری کا یہ واقعہ بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ جب ملتان پر سکھوں نے قبضہ کیا تو آپ خود ملتان میں رشد و ہدایت کی مسند بچھائے بیٹھے تھے۔ لیکن جونہی آپ نے شہر میں افراتفری مچتی دیکھی آپ فوراً

CS CamScanner

تلوار سونت کر میدان میں آ گئے اور اپنے پیر حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی علیہ الرحمت کے دوش بدوش سکھوں سے نبرد آزما ہوئے۔ بعد میں جب دوسرے علما و صلحا وہاں سے ترکِ سکونت پر مجبور ہوئے تو آپ نے بھی ملتان کو خیرباد کہہ کر بہاول پور کا رخ کیا۔ نواب صادق محمد خاں کو آپ سے پہلے ہی حسنِ عقیدت تھی۔ انہیں جب آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے آپ کی پذیرائی کی اور خیرپور میں قیام کی استدعا کی۔

نواب صاحب نے آپ کے لنگر کا تمام خرچ اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ اور اکثر مشکلات میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔ آپ کے قیام سے خیرپور (سندھ) میں مرکزِ خیر و برکت بن گیا۔ اور طالبانِ حق جوق در جوق یہاں جمع ہونے لگے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ خواجہ صاحب میں جو فضل و کمال تھا وہ جہاں ان کی اپنی محنتِ شاقہ کا ثمر تھا۔ وہاں وراثت میں بھی انہیں یہ جوہر ملے تھے۔ اپنی خاندانی روایات کے مطابق وہ بہادر و شجاع بھی تھے اور زہد و تقویٰ میں بھی غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ چنانچہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جب حضرت قبلہ عالم کا وصال ہوا اور ان کی نمازِ جنازہ کے لیے سب جمع ہوئے تو تجویز پیش کی گئی کہ حضرت قبلہ عالم کی نمازِ جنازہ وہ پڑھائے جس کے مستحب بھی کبھی قضا نہ ہوئے ہوں۔ حالانکہ اس وقت اور بھی بہت سے زہاد و عباد موجود تھے۔ لیکن اس شرط پر حضرت خواجہ خدا بخش ؒ ہی پورے اترے۔ اور اس طرح حضرت قبلہ عالم کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا اعزاز بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔

آپ نے سنہ ۱۲۱۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کے ہاں ایک بیٹا ہوا تھا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔ بھائی کی اولاد اپنی حقیقی اولاد کی طرح سمجھتے تھے جو وارثِ مسندِ ارشاد بنی۔

مظہر مسعود احمد پوری

چل کے آیا ہوں کہاں سے ترے میخانے میں
کچھ نہ کچھ ڈال دے ساقی مرے پیمانے میں

اک نظر سوختہ سامان پہ، فقط ایک نظر
دیر ہی کیا ہے مقدر کے سنور جانے میں

کر دے آگاہ محبت کے قرینوں سے مجھے
مجھ سے لغزش نہ ہو سرزد کوئی انجانے میں

سن کے ساغر تری آنکھوں کے چھلک جائیں گے
موڑ ایسے بھی ہیں ساقی مرے افسانے میں

اے بہاروں کے امیں کوئی مسرت کی نوید
کب سے رقصاں ہیں خزائیں مرے ویرانے میں

شمع کی لو پہ وہ معراجِ وفا پاتا ہے
اور کیا ہوتی ہے خوبی کسی پروانے میں

زانوئے یار پہ سر رکھ کے کبھی تو آ یاد نہ سکے
جو مزہ ہے تری دہلیز پہ سو جانے میں

لوگ جا جا کے حرم میں جبیں رگڑتے رہے
میں اسے دیکھ رہا ہوں ترے میخانے میں

نورِ عرفاں کا اک سیل ہے سے موجزن یہاں
لے کے جا کوئی کرن اپنے سیہ خانے میں

مختار احمد پیرزادہ

ایک تصریح

حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ آسمانِ ولایت کے وہ درخشندہ ستارہ تھے۔ جن کی تابندگی سے برصغیر میں شریعت و طریقت سے آراستہ و پیراستہ کردار مستحکم ہوئے۔ یہ آپ کی شخصیت کا ایک عظیم جوہر تھا۔ ایک ایسا عظیم جوہر جو محض انسانی عظمتوں سے بھرپور تھا۔ ایسے جواہر انسانیت کی قبا پر بغیر کسی دنیاوی حسب و نسب کے بھی دمکتے ہیں اور انسانیت ایسے جواہر گراں مایہ پر فخر کرتی ہے۔ لیکن آج کا دور تحقیق و تدقیق کا دور ہے۔ خواجہ جیسی شخصیت کا حسب و نسب جاننے کیلئے خاص تحقیق کی گئی ہے۔ مختلف تذکروں پر غور و فکر کے بعد اپنے خاندانی دستاویزات کو بھی زیر غور لایا گیا ہے۔ تاکہ یہ مسئلہ حقائق کی روشنی میں واضح ہو سکے۔ اس جستجو کے نتیجے میں ایک پٹہ ایسا ملا ہے جو بمورخہ ۲ شوال سنہ ۱۲۵۰ھ ہجری میں تحریر کیا گیا۔ حضرت خواجہؒ کی وفات کی تاریخ ماہ صفر سنہ ۱۲۵۰ھ ہے گویا یہ تحریر حضرت خواجہؒ کی وفات سے تقریباً ۹ ماہ بعد لکھی گئی اس پٹہ کے ذریعے حضرت خواجہؒ کے بھتیجے حضرت خواجہ عبدالرزاق صاحبؒ نے کچھ رقبہ زرعی خیرپور میں ہی خرید فرمایا۔ یہ پٹہ اس وقت کے قانون کے مطابق باقاعدہ رجسٹری شدہ ہے۔ اس پٹہ کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"بیع صحیح شرعی یان نبات نہ بیع دفا و تلجیہ صفقۃ واحدہ بدست
فضائل و کمالات مرتبت، فصاحت و بلاغت منزلت زبدۃ العلماء کرام
عمدۃ الفضلاء عظام مولوی صاحب مولوی عبدالرزاق خلف غفران پناہ
رضوان دستگاہ مولوی عبدالرحیم بن مولوی جان محمد مرحوم و مغفور
ابن جنت مکان فردوس آشیان مولوی بہاؤالدین علیہ الرحمت والغفران
فروختہ و ملک کردہ دادیم۔"

اس تحریر کے سامنے آنے کے بعد یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہؒ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی تھے۔ اسی طرح حضرت خواجہ جان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ محترم حضرت بہاؤالدینؒ اور حضرت بہاؤالدینؒ کے والدِ محترم حضرت مولوی عنایت اللہ صاحب ہیں۔ تذکرہ نگار حضرات نے مغالطے میں حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ کا نام اپنے تذکروں میں حضرت مولانا جان محمد صاحب کے والد کی حیثیت سے درج نہیں کیا۔ اسی طرح بعض تذکرہ نگاروں نے مولانا محمد اسحاقؒ کا نام اپنے تذکروں میں دیئے گئے شجرہ نسب میں درج نہیں کیا۔ حالانکہ وہ حضرت ثانی علاؤالدینؒ کے لڑکے اور مولانا مولوی محمود صاحب کے والدِ محترم تھے۔ ۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء کو بموقع عرس بتقریب مجلس مذاکرہ جناب مسعود حسن شہاب نے جو مقالہ پڑھا اسمیں بھی حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کا نام بحیثیت والد حضرت مولانا مولوی محمود صاحب درج ہے۔ میں نے مزید تصدیق کی غرض سے تمام تذکرے دیکھے ہیں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ دیکھے ہیں۔ بلکہ بعض تذکروں کے اصل قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ ان قلمی نسخوں کو بھی بغور دیکھا گیا ہے۔ ان سب قدیم تحریروں سے

شہاب صاحب کی تحقیق کی مزید تائید ہوتی ہے۔

چونکہ حضرت خواجہؒ کے ہاں لڑکا تو پیدا ہوا لیکن وہ بچپن میں ہی فوت ہوگیا۔ آپ کے اول سجادہ نشین بننے کا شرف حضرت خواجہ عبدالغفار صاحبؒ کو نصیب ہوا جو آپ کے بھتیجے تھے۔ وہ چار پانچ سال کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے۔ حضرت خواجہؒ کی زندگی میں یا آپ کے اول جانشین کے دور میں کوئی باقاعدہ تذکرہ ترتیب نہیں دیا گیا۔ جتنے تذکرے لکھے گئے وہ نہ باقاعدہ ہیں اور پھر بہت بعد میں لکھے گئے ہیں۔ اس وجہ سے ان تذکروں میں حضرت خواجہؒ کے خانوادہ کی اہم شخصیتوں کا ذکر ضرور کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں ترتیب ملحوظ نہیں رہی وہاں باہمی رشتے بھی پوری طرح اجاگر نہیں ہوتے۔ مثلاً "جذب القلوب" کے مصنف نے آپ کے خانوادے کو حضرت خواجہؒ کے ایک بھانجے کی اولاد قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس "ذکرِ کرام" کے مصنف نے حضرت خواجہ کے موجودہ خانوادے کو حضرت خواجہ محمود صاحبؒ کی اولاد ذکر کیا ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب نے بھی حضرت مولانا بہاؤالدین صاحبؒ اور مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کے اسمائے گرامی اپنے اپنے موقع پر اپنی تصنیف "سرِ دلبراں" ذکر فرمائے ہیں۔ مولانا غلام محمد صاحب کا نام تو بطور خاص لیا ہے۔ جو حضرت خواجہؒ کے خواہرزادے تھے۔ مگر اس تصنیف میں بھی ان بزرگوں کے باہمی رشتے واضح نہیں فرمائے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ بھی باقاعدہ تذکرہ نہیں بلکہ حضرت خواجہؒ کے حال اور قال کا ایک مستند تبصرہ ہے۔ جہاں جہاں موقع پیدا ہوا ہے اس خانوادے کی کسی ایک شخصیت کا یونہی برسبیلِ تذکرہ ذکر آگیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ جملہ سوانح نگار اس پر متفق ہیں کہ جس جس شخصیت کا بھی ذکر کیا گیا ہے یا پورے خانوادے کا نام آیا ہے تو اسے حضرت خواجہؒ کا خانوادہ اور انفرادی طور پر ہر شخصیت کو حضرت خواجہ خدا بخشؒ کی جد میں سے ہی ذکر کیا گیا ہے۔ کسی بھی مستند سوانح نگار نے یہ نہیں کہا کہ موجودہ خانوادہ حضرت خواجہ کی جد میں سے نہیں۔

مندرجہ بالا تذکروں کو سامنے رکھتے ہوئے اور خاندان میں موجود قلمی دستاویزات کی روشنی میں جو تحقیق کی گئی ہے۔ اسکی روشنی میں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ کے شجرہ نسب کی صحیح ترتیب یوں ہے۔

حضرت خواجہ خدا بخشؒ بن مولوی جان محمد بن مولوی بہاؤالدین بن
مولوی عنایت اللہ بن مولوی حسن علی بن محمود بن مولوی محمد اسحاق
بن قاضی علاؤالدین "

چونکہ حضرت خواجہ خدا بخشؒ کے جدِ امجد حضرت خواجہ محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو لڑکے تھے۔ ایک لڑکے کا نام حضرت بہاؤالدین صاحب اور دوسرے کا نام حضرت حسن علی تھا۔ اس وجہ سے یہاں دو لڑیاں بن جاتی ہیں۔ جن کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

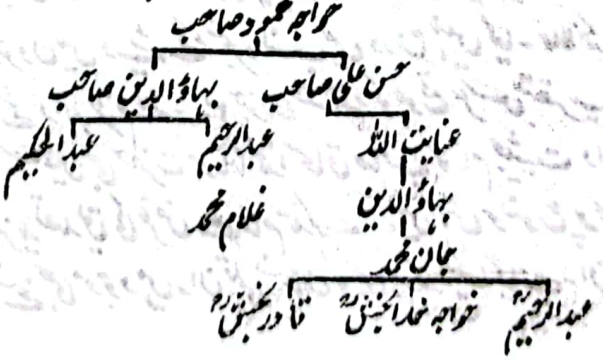

حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحبؒ نے اپنی ہمشیرہ کا رشتہ اپنے چچازاد بھائی خواجہ عبدالرحیم کو دیا۔ جن کے بطن سے حضرت خواجہ غلام محمد صاحب تولد ہوئے۔ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ نے اپنے ماموں حضرت خواجہ خدابخش رحمتہ اللہ علیہ کے حضور میں زانوئے تلمذ تہہ فرمائے اور آپ کے زیر سایہ ہی اپنی تعلیم کو مکمل کیا۔ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ کا رشتہ بھی حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ آپ کے ہاں بھی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی جو حضرت خواجہ عبدالمجید صاحبؒ خلف الرشید حضرت مولانا عبدالرزاق صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ چونکہ حضرت خواجہ غلام محمد صاحبؒ کے ہاں اولادِ نرینہ نہ ہوئی۔ اس وجہ سے حضرت خواجہ محمود صاحبؒ کے دوسرے لڑکے حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ کی لڑکی ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ ان کے فرزندِ اوّل حضرت خواجہ حسن علیؒ کی اولاد میں علی الترتیب مولانا عنایت اللہؒ، مولانا بہاؤالدین اور مولانا جان محمدؒ پھلتے پھولتے رہے۔ اس وجہ سے یہ سلسلہ بدستور جاری و ساری ہے۔

اس تفصیل سے جہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت خواجہ خدابخش رحمتہ اللہ علیہ کے خانوادے کی جن مختلف شخصیات کا ذکر تمام سوانح نگار حضرات نے اپنی تصانیف میں کیا ہے۔ ان کے باہمی رشتے کس نوعیت کے تھے؟ وہاں یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت خواجہؒ کے خاندان کے متعلق تذکروں میں جو تضاد پیدا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت خواجہ محمود صاحبؒ کی اولاد میں ایک جیسے نام آجاتے ہیں اور اس مماثلت کے باعث تذکرہ نگار حضرات شجرہ نسب میں صحیح ترتیب اور باہمی رشتوں کی وضاحت نہیں فرما سکے۔

اب چونکہ خاندان میں موجود مستند دستاویزات کی روشنی میں جملہ ابہام دور ہو چکے ہیں۔ لہٰذا "منادُو فوند" کے پہلے شمارہ میں جو شجرہ نسب شائع کیا گیا تھا۔ اور جس میں جن بعض شخصیتوں کے نام ترتیب سے رہ گئے تھے اب اس میں ترمیم کر دی ہے۔ یہ ترمیم شدہ شجرہ بھی دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مستقبل میں یہ ابہام باقی نہ رہے۔ یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح ہو جائے کہ حضرت خواجہ خدابخش رحمتہ اللہ علیہ کا موجودہ خاندان حضرت خواجہ محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پڑپوتے اور حضرت خواجہ رحمت اللہ علیہ کے بھائی حضرت خواجہ عبدالرحیم صاحب کی اولاد ہے۔

مظہر مسعود

دنیا دے ہتھوں سُکھ دی کُل کائنات ہر تے
ہن نامراد دل کوں آ ملک نی چین آندا
میں آپ کیا ڈساواں، توں آپ جاندا ہیں
ڈِتی ہئی رب نے جیڑھی، ہوں روشنی دے صدقے
سوغات کیا آ گھندا دردا دے ٹھہر ویتوں
تھیندا ہے کیا اشارہ تھیندا ہے کیا نظارہ
ویندا پیاں ناں یار دا الیویں ناں کیناں ولساں
میڈے قلم کوں خواجہ! او عظمتاں عطا کر
مسعود میڈے دل دی بس ہے ایہا تمنا

ہر سٹ تے آگیا ہاں جھکیر میں تیڈے در تے
کئے نیں سکیندا رہسیں، کے تیں رکھسیں پر تے
لبھدیں لبھیندیں کیکوں، آ پہنچا تیڈے در تے
بس ہک نگاہ کر چا، میڈے اندھارے گھر تے
گھن آیاں تیڈے کیتے اکھیں دے جام بھر تے
بیٹھا ہاں لاتے نظراں، سوہنا تیڈی نظر تے
خواجے دے در تو ولساں خوشیاں دی جھولی بھر تے
رکھلے نہ دنیاں میڈی کہیں زیر کہیں زبر تے
خواجے دے در دی مٹی پووے میڈی قبر تے

شجرہ نسب

سلطان العارفین حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ خیر پور شریف بہاول پور

حضرت خواجہ مولوی علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ

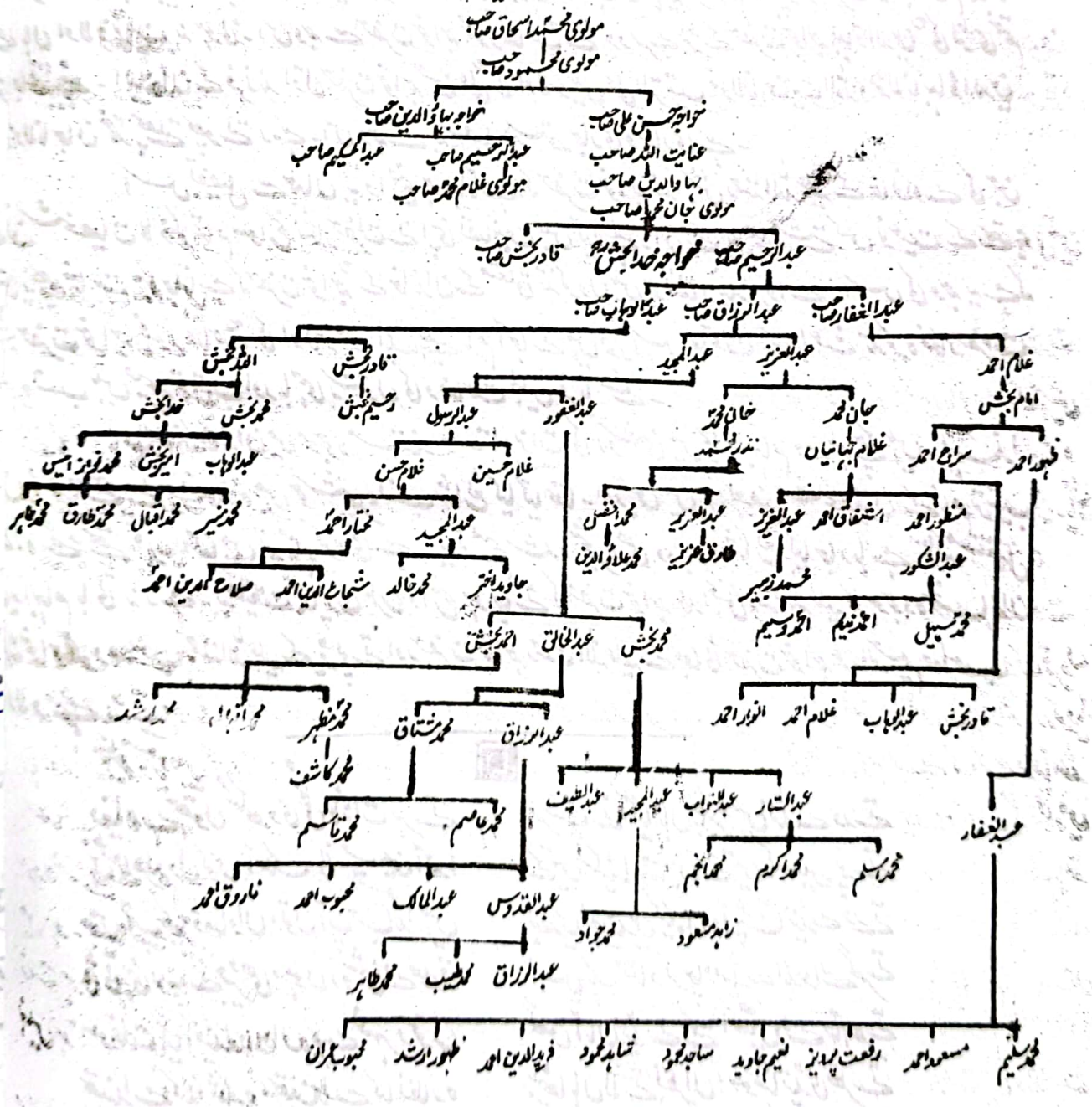

کاتب عبدالشکور پیرزادہ

مولانا مفتی غلام قادر

مناقبِ اولیاء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بعد۔ فاعوذ باللّٰہِ مِنَ الشیطان الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۔ اَلَا اِنَّ اولیاءَ اللّٰہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون ۝ الذین آمنو وکانوا یتقون ۝ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ۔

المقالۃ المرضیۃ فی مناقبِ الاولیاء

حضرات ! میرے مقالے کا عنوان ہے۔ مناقبِ اولیاءُ اللہ۔ ان آیات میں جو میں نے تلاوت کی ہیں۔ مندرجہ ذیل تین اہم مضامین مذکور ہیں۔

۱۔ اولیاء اللہ کے مناقب اور ان کے مخصوص فضائل ۲۔ اولیاءُ اللہ کی تعریف اور انکی پہچان ۳۔ دنیا اور آخرت میں ان کیلئے بشارت

اولیاء اللہ کے مناقب : ۔ اس سلسلہ میں ارشادِ باری تعالیٰ کا ماحصل یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو نہ کسی ناگوار چیز کے پیش آنے کا خطرہ ہوگا اور نہ کسی مطلوب و مقصود کے فوت ہونے کا غم۔ اولیاء اللہ دنیا میں بھی خوف و حزن سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اور برزخ و آخرت میں بھی۔ برزخ و آخرت میں ان پر خوف و غم نہ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اولیاءُ اللہ کی قبور بقعۂ نور اور روضۃ من ریاض الجنۃ ہیں۔ میدانِ محشر میں اولیاءُ اللہ کی شفاعت سے بہت سے گنہگاروں کی بخشش ہوگی۔ تو پھر انہیں کسی کا خوف و غم کیونکر؟

طبرانی نے بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل لاالٰہ الا اللہ کو نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبر میں اور نہ قبر سے اٹھنے کے وقت۔ گویا میری آنکھیں اس وقت کا حال دیکھ رہی ہیں جب یہ لوگ قبروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحُزْنَ ۔ یعنی اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارا غم دور کر دیا۔

دنیا اولیاءُ اللہ کو دنیا میں کسی ناگوار چیز کے پیش آنے کا خوف نہ ہونا اور حزن و غم سے محفوظ ہونا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اولیاءُ اللہ کو مصائب و آلام سے واسطہ پڑ سکتا ہے مگر چونکہ انکی نگاہ میں دنیا کا مال و اسباب کوئی وقعت نہیں رکھتا پوری دنیا ان کی نگاہ میں مردہ خنزیر کے جسم کے ایک ٹکڑا سے بھی کم وقعت رکھتی ہے جس پر کتے نے پیشاب کر دیا ہو اور وہ کسی جزام والے مریض کے ہاتھ میں ہو۔ جیسا کہ یہ حقیر اور بے وقعت ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی نگاہ میں دنیا۔ پھر ان کا مطلوب و مقصود بھی صرف اللہ کی ذات سبحانی ہے۔ دنیا کی کوئی چیز بھی ان کا مقصود نہیں۔ لہٰذا کسی چیز کے حاصل نہ ہونے سے ان کے دل میں کسی قسم کا حزن و ملال نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی نقصان دہ چیز کے آنے کا انہیں خطرہ ہوتا ہے۔

والیٔ ملک نیمروز سلطان سنجر نے حضرت پیر پیران شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں درخواست کی کہ بسلسلہ خدماتِ دین و اشاعتِ اسلام دو سو گاؤں کا ہدیہ بطور نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ قبول فرما کر سرفراز فرمائیں گے۔ آپ اسی رقعہ کی پشت پر یہ اشعار لکھ کر رقعہ واپس بھیج دیا۔ سے

چوں چیز منجری رخ بختم سیاہ باد　　در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب　　من ملک نیمروز بیک جو نمے خرم

اسی طرح حضرت شیخ المشائخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق منقول ہے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ حضرت کا تجارتی جہاز غرق آب ہو گیا، آپ نے الحمد للہ کہا۔ پھر کچھ وقت کے بعد اطلاع ملی کہ وہ جہاز گرداب سے نکل کر محفوظ مقام پر پہنچ گیا ہے تو اس پر بھی آپ نے الحمد للہ کہا۔ کسی نے سوال کیا کہ حضرت دونوں حالتوں میں آپ نے الحمد للہ کیوں کہا۔ سامانِ تجارت کے صحیح سالم رہنے پر بطور شکر یہ الحمد للہ کہنے کی وجہ تو قابلِ فہم ہے۔ مگر پہلی اطلاع پر الحمد للہ کہنے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ تو حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلی اطلاع پر میں نے اپنے قلب کو دیکھا تو اس پر نقصان کا کوئی اثر نہ تھا اور دوسری اطلاع پر قلب کو کوئی خوشی پیدا نہ ہوئی تو میں نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ قلب میں ذاتِ باری کے سوا کسی نفع و نقصان کا کوئی اثر نہیں ؎

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے　　بہ پیش ہمتِ ما ہر چہ آمد بود مہمانے

تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اولیا اللہ کے خوف و غم سے محفوظ رہنے کی عمدہ و فصاحت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کے خوف و غم میں عام طور سے اہلِ دنیا مبتلا رہتے ہیں کہ دنیاوی مقاصد، آرام و راحت، عزت و دولت میں ذرا سی کمی ہو جانے پر مرنے لگتے ہیں اور ذرا ذرا سی تکلیف و پریشانی کے خوف سے ان سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بلند و بالا ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت و دولت، راحت و آرام کوئی چیز ہے جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہوں اور نہ یہاں کی محنت و کلفت اور رنج کچھ قابلِ التفات ہے۔ جس کی مدافعت میں پریشان ہوں۔ وہ اس بات کے قائل ہوتے ہیں ؎

یہ ننگ عاشقی ہیں سود و حاصل دیکھنے والے　　یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے

نفع و نقصان، رنج و راحت کو خاطر میں نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اولیاء اللہ کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہی ہے اور جملہ مصائب والام بھی اسی کی جانب سے ہیں۔ اور ہر چہ از دوست نیکوست کے پیشِ نظر وہ مصائب کے ازالہ کی تمنا تک بھی نہیں کرتے۔ ایک دفعہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت رابعہ بصریہ کی عیادت کو گئے، کہا اے رابعہ! دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو آپ پر آسان کر دے۔ آپ نے یہ سن کر ان کی طرف دیکھا اور کہا اے سفیان! کیا تم نہیں جانتے کہ یہ بیماری مجھ پر اس کے حکم سے ہے۔ انہوں نے کہا ہاں جانتا ہوں آپ نے کہا پھر میں اس کی ذات سے اس کی مرضی کے خلاف کیوں درخواست کروں۔

دوسری بات اولیاء اللہ کی تعریف اور ان کی پہچان سے متعلق ہے۔

اولیاء ولی کی جمع ہے۔ عربی زبان میں لفظ ولی قریب کے معنی میں بھی آتا ہے اور دوست و محب کے معنی میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ایک عام درجہ تو ایسا ہے کہ اس سے دنیا کا کوئی انسان و حیوان بلکہ کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں۔ اگر یہ قرب و تعلق نہ ہو تو سارے عالم میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی۔ گو اس قرب و تعلق کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ مگر اس بے کیف رابطہ و تعلق کا ہونا ضروری ہے۔ رہے اولیاء اللہ سو انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کا ایک اور درجہ حاصل ہوتا ہے۔ جو قربِ محبت کہلاتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے

یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ تو پھر میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں۔ وہ جو کچھ سنتا ہے۔ میرے ذریعے سنتا ہے۔ میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے۔ میں ہی اسکے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ مجھ سے کرتا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی کوئی حرکت و سکون اور کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا۔ اور اس ولایت خاصہ کے درجات بے شمار اور غیر متناہی ہیں۔ اس کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے۔ کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے اور اور اسمیں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء فخر موجودات آقائے نامدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ہے اور ادنیٰ درجہ اس ولایت کا وہ ہے۔ جس کو صوفیائے کرامؒ کی اصطلاح میں درجۂ فنا کہا جاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کا قلب اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے۔ وہ جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے۔ جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کیلئے کرتا ہے۔ وہ جس کو دیتا ہے اللہ کے لئے دیتا ہے اور منع کرتا ہے تو بھی اللہ کیلئے۔ اس کے حب و بغض و عداوت میں اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہو۔ اسی حالت کی علامت کثرت ذکر اور دوام طاعت ہے۔ یعنی (۱) اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا (۲) اور ہمیشہ ہر حال میں اسکی نافرمانی سے بچتے ہوئے اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔ یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ ہے۔ جیسے حضرت محبوب اللہ خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ آپ طاعات پر اتنے کاربند تھے کہ عمر بھر آپ سے عصر کی غیر مؤکدہ سنتیں بھی ترک نہ ہوئیں۔ عبادات پر یہی مداومت حضرت قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے جنازہ کیلئے آپ کے امام بننے کا موجب ہوئی۔ جس شخص میں ان دونوں صفات میں سے کوئی ایک نہ ہو۔ وہ اس فہرست میں داخل نہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ ہوا میں چار زانو بیٹھا ہے تب بھی اسکی پیروی نہ کرو۔ جب تک اس کا عمل اللہ کے اوامر و نہی کے مطابق نہ دیکھو۔ قرآن مجید کی آیت اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ط میں بھی اولیاء اللہ کی انہی مذکورہ بالا دونوں صفات کا ذکر ہے۔ یعنی ایمان و تقویٰ۔ ایمان یقین کو کہتے ہیں جس کا محل قلب ہوتا ہے اور کمال ایمان یہ ہے کہ اس کا دل ایک ساعت کیلئے بھی اللہ اور اس کی یاد سے غافل نہ ہو اور تقویٰ کے معنی بچنے کے ہیں۔ یعنی اس کا قلب اور روح غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہونے سے اور اس کے اعضاء و جوارح معاصی و ذنوب کے ساتھ آلودہ ہونے سے بچے رہیں۔ حدیث قدسی میں ایسے حضرات کے ساتھ عداوت و دشمنی پر اللہ تعالیٰ کیطرف سے اعلان جنگ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ ایک بدبخت شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آپ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر پوچھا۔ کہ آپ کی والدہ زندہ ہیں۔ فرمایا۔ ہاں۔ وہ کہنے لگا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ بڑی حسینہ و جمیلہ ہیں۔ اس لئے میں ان سے نکاح کرنے آیا ہوں۔ آپ اُن کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے۔ فرمایا وہ عاقلہ بالغہ ہیں انہیں اپنے نکاح کا اختیار ہے میں جبر نہیں کر سکتا۔ البتہ ان سے پوچھ سکتا ہوں۔ آپ پوچھنے جا رہے تھے۔ اتفاق سے مڑ کر دیکھا تو وہ شخص تڑپ تڑپ کر جان دے رہا تھا۔ یہ تھا ولی اللہ کے ساتھ عداوت پر خدائی گرفت کا فوری مظاہرہ۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ط ایک حدیث میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ مذکور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اس آیت میں اولیاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہ لوگ جو خالص اللہ کیلئے آپس میں محبت کرتے ہیں کوئی دنیاوی غرض درمیان میں نہیں ہوتی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اولیاء اللہ وہ ہیں۔ جب ان پر نظر پڑے تو اللہ یاد آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ حالتیں انہی لوگوں کی ہو سکتی ہیں جن میں ایمان اور تقویٰ بدرجۂ کمال موجود ہو۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس درجہ

ولایت کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ امت کو یہ درجۂ ولایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ فیض صحبت صحابہ کرام کو بلا واسطہ حاصل تھا۔ اس وجہ سے ان کا درجۂ ولایت تمام امت کے اولیاء و اقطاب سے بالاتر تھا۔ بعد کے لوگوں کو یہی فیض بالواسطہ حاصل ہوتا ہے۔ واسطہ صرف وہی لوگ بن سکتے ہیں۔ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوئے آپ کی سنت کے پیرو ہیں۔ ایسے لوگوں کی کثرت صحبت و مجالست اور انکی پیروی اور ذکر اللہ سے یہ درجہ حاصل ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ درجۂ ولایت حاصل کرنے کا نسخہ تین اجزاء سے مرکب ہے۔ (۱) کسی ولی اللہ کی صحبت (۲) اسکی اطاعت (۳) ذکر اللہ کی کثرت

حضرت رزین رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رزین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتلاتا ہوں جس سے تم دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو۔ وہ یہ ہے کہ اہل ذکر کی صحبت و مجلس کو لازم پکڑو۔

مولانا روم علیہ الرحمتہ نے فرمایا۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اور حضرت شیخ سعدی نے فرمایا۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

اولیاء اللہ کی محبت کے ساتھ اطاعت کا درجہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک شخص نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں جو کسی بزرگ سے محبت کرتا ہے لیکن عمل کے اعتبار سے ان کے درجہ تک نہیں پہنچتا؟ آپ نے فرمایا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ یعنی ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسکو محبت ہے۔ کثرت ذکر سے آئینۂ قلب کو جلا ہوتی ہے تو وہ نور ولایت کے انعکاس کے قابل بن جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر چیز کیلئے صیقل اور صفائی کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ قلب کی صیقل و صفائی ذکر اللہ سے ہوتی ہے۔ یہ حدیث بیہقی میں مذکور ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کو ذکر اللہ سے کسقدر شغف تھا۔ اس کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے۔ جو آپ ذکر سحر گاہی کے سلسلہ میں اکثر پڑھا کرتے تھے۔

سحر برخیز و ذکر بے ریا کن بداں درگاہ خود را آشنا کن
اگر گوئی کہ من درویش حالم نظر بر خاندان مصطفےٰ کن
اگر گوئی کہ بو من ظالم رفت بہشت نظر بر کشتگان کربلا کن

آخری آیت میں اولیاء اللہ کے لئے دنیا و آخرت کی خوشخبری کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ آخرت کی خوشخبری تو یہ ہے کہ موت کے وقت جب اس کی روح کو اللہ کے پاس لے جایا جاتا ہے تو اس وقت اس کو جنت کی خوشخبری

CS CamScanner

دیجاتی ہے۔ پھر قیامت کے روز قبر سے اٹھنے کے وقت بھی جنت اور اللہ تعالےٰ کی ملاقات کی خوشخبری دی جائے گی۔ دنیا کی بشارت کے متعلق سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سچی خوابیں جو انسان خود دیکھے یا اس کیلئے کوئی دوسرا دیکھے جن میں اس کے لئے خوشخبری ہو اور دنیا کی دوسری بشارت یہ ہے کہ عالم مسلمان بغیر کسی غرض کے اس سے محبت کریں۔ اور اسے اچھا سمجھیں۔ اس کے متعلق آقائے نامدار رسول کریم ؐ کا ارشاد ہے کہ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ یعنی عام مسلمانوں کا اچھا سمجھنا اور تعریف کرنا مومن کیلئے نقد خوشخبری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء اللہ کے ساتھ سچی عقیدت و محبت اور انکی تابعداری کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے۔

یَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنَا

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

سید نذیر علیشاہ
پنشنر بریگیڈیئر

انقلابی عرس

اولیاء اللہ کے مزاروں پر سالانہ منعقد ہونیوالی تقریبوں کو عرس کہتے ہیں۔ یہ معنی خیز مقدس تقریبیں مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ رسم ہوتے ہوتے اپنی اصلیت کھو بیٹھتی ہیں اور اس بے سمجھی و بے خبری تک کی حد کو پہنچ جاتی ہیں کہ جن کی اصلاح اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر آتشکدۂ نمرود کو ٹھنڈا اور کعبہ اللہ کو انقلاب پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق پھر سے بابرکت فرماتے ہیں۔

جس طرح دنیاوی گورنمنٹوں کے تحصیل، تھانے، ضلعے اور صوبے ہوتے ہیں۔ اسی طرح روحانیت کی سرکار کے بھی ضلعے، صوبے، تحصیل، تھانے وغیرہ ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں صوبے کو ولایت کہتے ہیں۔ جیسے ولایتِ بصرہ، شام، مصر اور بجائے گورنر کہنے کے صوبہ کے حاکم کو عربی زبان میں والی کہتے ہیں۔ جیسے والیٔ ولایتِ بصرہ وغیرہ۔ روحانی ولائیتوں کے والیوں کے علاقوں کا محل وقوع ایک خاص قسم کے ماحول کا حامل ہوتا ہے۔ جیسے وادیٔ بطحا اور سینیٰ کا۔ جہاں تک روحانی ولایت خیرپور کا تعلق ہے۔ اس خطہ کے ایک طرف دریا، ایک طرف صحرا دور دور تک پھیلے کھجور کے سربلند درخت یعنی ارفع و اعلیٰ آزاد و بیباک سرمدی سماں۔ لیلیٰ، عذرا، شیریں ہی کے عاشقوں کو ہی نہیں اللہ کے عاشقوں کو بھی تنہائی تخلیہ مرغوب خاطر ہوتا ہے۔ روح پرور ماحول کی قدر دانی فرمانا مقصد تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرما کر غارِ حرا کو مشرف فرمایا کرتے تھے۔ اسی نسبت تناسب حکمت حقیقت کا اعجاز اور فیض ہے کہ ماسکو، ٹوکیو وغیرہ انسانی روح کی اصلاح فلاح کے سلسلہ میں خیرپور شریف جیسی خدمت سرانجام نہیں دے سکتے۔

خواجہ غلام الحسن اکیڈمی خیرپور کے ۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء کے جلسہ کو میں نے انقلابی عرس کے نام سے موسوم کرنا اسلئے مناسب اور حق بجانب سمجھا ہے کہ یہ عرس نہیں تھا بلکہ حقیقی عرس تھا۔ آئندہ ۱۵-۲۰ سال تک جب اس قسم کے انقلابی عرسوں کا دنیا بھر میں چرچا ہونا شروع ہوا تو خیرپور کا یہ انقلابی عرس بلا مبالغہ بیسویں صدی کے انقلابی عرسوں میں پہلا انقلابی عرس تسلیم ہوگا۔

اور خیر پور کے پیرزادگان رسمی عرسوں کو اکیڈمک لباس میں ملبوس کرنے کیوجہ اگر انقلابی عرسوں کے موجد اور بانی قرار پائیں تو یہ فخر اور یہ امتیاز ان کا حق ہوگا۔

مجھے اس قسم کے انقلابی عرسوں کے دیکھنے کی بڑی مدت سے آرزو تھی۔ منتر سال انتظار کرنے کے بعد میں حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ کے دربار کے اسی ایوان میں جس سے مجھے جب میری عمر تقریباً ۱۹۰۵ء میں آٹھ نو سال کی تھی دھکے دے دے کر نکال دیا گیا تھا۔ میں شکستہ دل گھر پہنچ بغیر کھانا کھائے کچھ بخار کسی سی حالت میں رضائی اوڑھ سسکیاں بھرتے سوچتے سوچتے سو گیا تھا۔ میں زمانہ میں خیر پور سکول کی پرائمری جماعت کا طالب علم تھا۔ اس زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں خیر پور میں مقیم تھے۔ میری خوش نصیبی ہے کہ تیئس ۲۳ جنوری ۱۹۸۶ء بیاسی برس کی عمر میں حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ کے دربار میں پھر باریاب ہو کر بھری محفل میں حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ کا محبت لبریز فرمان ؛ "زیر! تم نے ہمیں بھلا دیا ہم نہ تمہیں بھلا سکے"۔ وجدانی کیفیت کا نتیجہ روحانی طور پر سن رہا تھا۔ اس شعور "اعتقاد، یقین کا انعام تھا کہ خواجہؒ کے دربار سے بچپن کی عمر میں ہم نے ؎

درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

سچ فرمایا ہے۔ ؎

درد فریدؔ ہے چیز مہانگی تھیندے وزنح و یار

اپنے معصوم عمر کے دماغ کی موہوم ارزوؤں کو بار آور ہوتا دیکھ کر روحانی آسودگی محسوس کر رہا ہوں۔ معنی خیز تقریریں، پُر مغز مقالے ایک سے ایک سوا سن سن کر روحانی آسودگی حاصل ہو رہی تھی۔ سُنانے والے ہمہ صفت موصوف نہ تھے سننے والے بھی پورے اعتماد کے ساتھ قابل تعریف ہمہ تن گوش خوشی سے سن رہے تھے۔ شامل جلسہ اصحاب کے کپڑے اجلے تھے۔ شریک جلسہ حضرات کی زیادہ تر تعداد باریش بزرگوں کی تھی۔ جلسہ گاہ باذوق طریقہ سے سجائی گئی ہوئی تھی۔ صحافی حضرات محکمہ اطلاعات اور ریڈیو پاکستان بہاولپور رینج کے عملہ کی خاطر نمائندگی تھی۔ دانشور حضرات کے مقالے سن سن کر خیال ہی نہیں یقین ہو رہا تھا کہ خونریز جنگوں، مصیبتوں سے تھکی ہاری مشرق و مغرب کی معاشرہ تباہ دنیا کے دانشور آئندہ دس بارہ سال تک اگر خیر پور شریف کے پیرزادگان نے انقلابی عرسوں کا سلسلہ اسی ذوق و شوق سے جاری رکھا تو سال بسال لندن، ماسکو، پیکن واشنگٹن تک کے ہزاروں دانشور جویائے حق خیر پور شریف کے پرسکون ماحول میں آ کر خیمہ زن ہو۔ اطمینان قلوب جو یورپ امریکہ میں روز بروز عنقا ہوتا چلا جا رہا ہے کا انسداد تدارک کر کے ہارٹ فیل ہونے کے عوارض سے نجات حاصل کر سکا کوں گر ٹیکنالوجی کا فروغ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ اسلامی ایڈیالوجی پر عمل پیرا ہوئے بغیر عالمگیر عافیت ناممکن ہے۔ اسلام کا ہر فکر عالمگیر، ہر فیصلہ عالم پناہ ہے۔

اس زمانے کا انسان مشینوں کی دوستی یاری میں بری طرح کھو کر رہ گیا ہے۔ مشینوں کے ساتھ رات دن واسطہ پڑنے کیوجہ سے خود بھی مشینوں کیطرح بے دل بے درد مخلوق بنتا چلا جا رہا ہے۔ رانجھن رانجھن اکھدیاں میں آپے رانجھن ہوئی" والی کیفیت کی بجائے اب۔ انجن انجن آکھدیاں میں آپے انجن ہوئی۔ کا سا معاملہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اس مصیبت اس مرض کا علاج خواجہ کے دربار خیر پور شریف کے فیض قیام کا اندازہ کر کے دیکھ لیجئے۔

روحانیت کے فیض فیوض، اجاڑ بیاڑ بے آب و گیاہ علاقوں میں زیادہ ہوتے ہیں۔ ساقی ازل نے جہاں بعض علاقوں کو سونے چاندی، ہیروں کی کانیں عطا فرما کر مالا مال کیا ہے اسی ساقی نے انسان کو دین دنیا کی عظیم ترین نعمت درد دل عطا

فرما کر دادی غیر ذی زرع کو سجدہ گاہِ عالم بخف کو اشرف اور کربلا کو معلی بنا دیا ہوا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس خیر پور، چشتیاں، اوچ متبرکہ مومبارک کا روحانیت کی ڈسپنسریاں، بیمارٹیاں مقرر فرما دینا مالکِ کائنات باری تعالیٰ ہی کا منشاء اور مقصد ہے۔ ان سے فیض حاصل کرنا سونے، چاندی، جواہرات کے فیض سے فزوں تر فیض ہے۔ یہ فیض یورپ امریکہ کے کسی بڑے شہر کسی ٹب سے مصنف کی شہرۂ آفاق کتاب پڑھ کر ہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس فیض کو عالم عالمگیر فیض کرنے کیلئے حکومت پاکستان اور ادارہ یونیسکو کا تعاون ضروری ہے۔ اسی غرض کے حصول کیلئے پاکستان بالخصوص پاکستان کے چولستانی علاقہ پر روحانی درگاہوں والی بستیوں میں سیاحت کے دیہی مرکز قائم کر کے دنیا بھر میں بجائے شہری ٹورازم، دیہی ٹورازم پر توجہ دی جائے۔ روحانی فیض وسعادت کے حاصل کرنے کیلئے مکہ مکرمہ جانا اور خیر پور شریف آنا ہی پڑیگا۔ البتہ متولیان درگاہات کو تقلید خواجہ خدا بخش اکیڈمی عرسوں کا طریق کار رسمی رواجی نہیں روحِ بلالی تلقینِ غزالی شان و شوکت والا بنانا ہوگا۔ اکیڈمی اور اس کے صدر مجید پیرزادہ اس تقریب کے انعقاد پر لائق تحسین ہیں۔

بیا پیدا خریدار است جانِ ناتوانے را
پس از مدت گذر افتاد بر ما کاروانے را

عاشق مصطفےٰ ایم اے لیکچرر
ایس ای کالج بہاول پور

خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق میرے تاثرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ط یہ آیت ابتدائی طور پر کفار مکہ سے متعلق ہے۔ ظاہری طور پر اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہرچند کفارِ مکہ عذابِ الٰہی کے مستحق تھے۔ کیونکہ ان میں وہ تمام برائیاں موجود تھیں جو عذابِ خداوندی کا موجب بن سکتی تھیں۔ مگر پھر بھی ان پہ عذاب نہ آیا۔ اس کی دو وجہیں قرآن مجید نے فرمائی ہیں۔

اول انبیاؑ کا وجودِ مسعود دوم اولیاؑ کا۔

فرق صرف اتنا کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود کے ساتھ جو رحمتیں وابستہ تھیں ان کو اس قدر قوی اور مستقل بتایا گیا ہے کہ اصولی طور پر اللہ میاں ایسی جگہوں پر عذاب فرماتا ہی نہیں۔ جہاں انبیاؑ جلوہ افروز ہوں۔ یہ بات قرآن مجید کے سیاق سباق کی دو حکمتوں سے عیاں ہوتی ہے۔ ایک تو اس لئے کہ آیت کے اس حصے عذاب کی نفی کرتے ہوئے قرآن مجید نے مضارع مقرم بلام امر ذکر کیا یعنی یہ فرمایا۔ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ" معنی یہ ہیں کہ اللہ کو تو عذاب کرنا ہی نہیں اور اس کے ساتھ "وَاَنْتَ فِيْهِمْ" میں وجودِ مسعود کی اطلاقی برکتوں کا ذکر کیا ہے یعنی اسکے ساتھ آپ کی اور کسی خوبی کا ذکر نہیں کیا۔ مگر اولیا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے ترکیب بدل دی ہے "وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ" اللہ ان جگہوں پر عذاب نہیں کرتا۔ یعنی یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اصول فطرت اگر مانع نہیں مگر عادت اللہ یہی ہے کہ ایسے مقامات پر جہاں اولیا اللہ ہوتے ہیں وہاں اللہ کا عذاب نہیں آتا۔ پھر یہاں ایک اور فرق یہ ہے کہ اولیا اللہ کے وجود کو علی الاطلاق ذکر نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا "وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" یعنی ایسے لوگوں کا وجود جو بدستور اپنا تعلق اللہ سے جوڑے رکھیں۔ عذابِ الٰہی سے مانع ہوتا ہے۔

یہ تو ہم نے آیت کا ظاہری مفہوم بیان کیا ہے۔ لیکن بمصداق "لِکُلِّ آیَةٍ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ" ہم اگر ایک بار اور اس آیت پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں اس آیت کو منفی انداز سے پیش کیا گیا ہے وہاں اس کا مثبت پہلو بھی ہے۔ یعنی انبیا اور اولیاء کا وجود اصولِ فطرت اور عادت اللہ کے بموجب باعثِ رحمت و برکت خداوندی ہوتا ہے۔

اس تمہید کے بعد میں اس بات کا ذکر کرنے میں حق بجانب ہوں کہ اللہ کو اس قصبہ خیرپور کو اسم بمسمّٰی بنانا مقصود ہوا تو اس نے محبوب یزدانی خواجہ خدابخش علیہ الرحمت کو اس قصبہ کی طرف متوجہ فرمایا۔

اس نقطۂ نگاہ کے پیش نظر جب ہم خیرپور کے حالات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ہر طرف خیر و برکت کا ظہور نظر آتا ہے۔ میرے لئے اس مختصر وقت میں یہ تو ممکن نہیں کہ میں ان تمام باتوں کا ذکر کر سکوں لیکن اس وقت میں صرف اس قصبہ کی علمی برکتوں کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔

خواجہ صاحب جس وقت خیرپور میں رونق افروز ہوئے۔ تو یہاں علم و عمل کی مجلسیں گرم ہوئیں۔ ہر طرف علم و عرفان کی حقیقتیں آشکار ہونے لگیں۔ آپ یقین جانیئے جب یہ محبوب یزداں قصبہ ٹانیہ میں تھے۔ تو دنیا اس کو مردم خیز کہتی تھی۔ آج علمی دنیا میں اس کا نام تک موجود نہیں۔ مگر خیرپور آپ کی برکتوں کے سبب سے انشاء اللہ رحمتوں و برکتوں سے پر رہے گا۔

آپ نے جو حلقہ درس تدریس یہاں قائم فرمایا اس کی شاخیں پھیلے واہی، قائم پور، حاصل پور اور بہاول پور میں پھیل گیئں۔ آپ کے پاس سندھ و سرحد سے تشنگانِ علوم و معارف آیا کرتے تھے۔ سینکڑوں علما و صوفیا آپ کے دربار سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کے اجلہ تلامذہ میں سے۔ نبراس جو شرح عقائد نفسی کی شرح ہے کے مصنف مولانا عبدالعزیز پرہاروی کا نام لیا جاتا ہے۔ جس کے علوم و معارف کو دیکھ کر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پرہار جیسے گمنام قصبہ کا کوئی آدمی ہے۔ بلکہ آپ کا انداز ایک طرف شاہ ولی اللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے ملتا ہے تو دوسری طرف جرجان کے سید شریف اور تفتازان کے سعد الدین کا عکاس ہے۔ اس کے بعد اس فیضان کو خیرپور کے ساداتِ ہمداں میں سیّد زمان شاہ نے آگے بڑھایا تو دوسری طرف ہمارے خیرپور کے قراء کے خاندان نے بھی اس میں سے وافر حصہ پایا۔

سیّد محمد زمان شاہ صاحب اپنے وقت کے جید عالم دین تھے۔ صاحبِ نسبت صوفی تھے۔ آپ کو بیک وقت مولانا عبدالرحمٰن جو خواجہ صاحب کے متعلقین میں سے تھے سے علمی وابستگی حاصل تھی۔ تو دوسری طرف آپکو قطب الاقطاب مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سے بھی فیض ملا اور نسبت کے اعتبار سے آپ کو فیض حضرت رائے پوری سے ملا تھا۔

میرا خیال ہے کہ سامعین سید صاحب کے اس تعارف کو سن کر یہ سوچ رہے ہونگے کہ پھر اس میں خواجہ صاحب کا کیا حصہ ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ جتنی چیزیں بھی سورج کے سامنے آتی ہیں وہ سب کی سب آفتاب و مہتاب بن کر جگمگا نہیں اٹھتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بار منیر کے سورج سے مستنیر ہو کر سراج منیر بننے میں صرف سورج ہی کا حصہ نہیں خود اس میں بھی کوئی معنوی بات ہے۔ جس کے سبب سے اس کے اندر سورج کی روشنی جلوہ آرا ہوتی ہے۔

میرے نزدیک یہ معنوی صلاحیتیں خواجہ صاحب کی برکت سے ہی پیدا ہوئی تھیں اور انہی نے شاہ صاحب کو علمی تنویرات کا مظہر اور انکا عکاس بنایا۔

اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے اس مقالہ کو اختتام پذیر کرتے ہوئے یہ بتاؤں ان سب معنوی تنویرات کا ایک نیا سنگم اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے۔ میری مراد استاد مکرم جناب حضرت مولانا غلام قادر سے ہے۔ آپ نے معنوی

صلاحیتیں تکوینی اعتبار سے خواجہ خدا بخش علیہ الرحمتہ سے حاصل کیں تو ظاہری تنویرات سید زمان شاہ ہمدانی، مولانا عبدالرحمن خانقاہی اور قطب دوراں، وحید زمان، صوفی باصفا، استاد الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ثم ملتانی سے حاصل کیں۔ میرے نزدیک خواجہ صاحب کی یہ کرامت اور علمی تنویرات انشاء اللہ ہمیشہ ہمیشہ ہمارے اس قصبہ خیر پور کو منور کرتی رہیں گی اور یہاں سے انشاء اللہ ایسی ایسی ہستیاں پیدا ہوتی رہیں گی جو خواجہ صاحب کی زندہ جاوید کرامت کی مظہر ہونگی۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خواجہ صاحب کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق دے۔

میرے اس قصبہ کو خدا نے ایسے نادرہ روزگار اسلاف بخشے ہیں کہ جن کی یاد ہمارے لئے علمی آبیاری اور روحانی اور دنیاوی فلاح و رشد کی ضامن ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے پیرزادگان میں سے بالخصوص عبدالمجید زیادہ صاحبزادہ ریاض احمد رحمانی، محمد نواز انیس پیرزادہ مشتاق احمد پیرزادہ کو ادھر توجہ ہوئی۔ میری ان حضرات سے درخواست ہے کہ وہ حضرت خواجہ صاحب کی علمی، روحانی اور دینی کرامات و برکات کو عام کرتے ہوئے اسے عمومیت دیں۔ تاکہ معنوی اعتبار سے جس طرح حضرت خواجہ صاحب کا فیضان بے پایاں پہنچا ہے۔ اس سب کی جھلک اس کام میں آجائے۔

ہمارے سادات ہمدان میں سے ڈاکٹر سید عبدالرحمن ہمدانی نے ایک کام کیا ہے۔ مگر وہ ایک شخصی و ذاتی نوعیت کا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کاموں کو تعمیم بخشی جائے تاکہ ہماری آنے والی نسلیں جہاں عزت و خوداری سے مالا مال ہوں۔ وہاں ان میں بلندیوں تک پہنچنے کیلئے جرأت و ہمت اور اپنے اسلاف کی عظمتوں اور برکتوں پر یقین محکم بھی ہو۔

محمد نواز انیس پیرزادہ

خواجہ خدا بخش رح اور اصلاحِ معاشرہ

حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا عمیق مطالعہ جن صداقتوں کو اجاگر کرتا ہے۔ ان صداقتوں میں ایک بنیادی صداقت اصلاحِ معاشرہ ہے اس صداقت کا تجزیہ پیش کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس موضوع کے دو اہم حصوں کو جداگانہ حیثیت میں واضح کیا جائے۔ معاشرہ کا مفہوم، معاشرے کی ہیئت ترکیبی اور وہ خاص جبلتیں جن کو پہچان کر اصلاح کے عمل کو عوام الناس کی زندگی میں جاری و ساری کیا جا سکتا ہے۔ اصلاح کے مفہوم کو بھی متعین کیا جائے تاکہ یہ حقیقت سامنے آسکے کہ کونسا عمل اصلاح کی حقیقت کو عوامی زندگی میں سموتے ہوئے بہتر معاشرے کی تشکیل اور تنظیم کا موجب قرار پاتا ہے۔

معاشرہ فرد کی اجتماعی صورت یعنی افراد معاشرے کی ہیئت ترکیبی ہیں۔ افراد کا مزاج من حیث المجموع معاشرے کا مزاج بنتا ہے۔ گویا یہ ثابت ہوا کہ معاشرے کی اصل بنیاد اور حقیقت فرد ہے۔ فرد کی اکائی معاشرے کی خشتِ اول ہے یہ خشت اگر انسانی عظمتوں اور بشری شان و شوکت سے بھرپور اصولوں کے مطابق معاشرتی بنیاد میں چنی جائے تو معاشرے کی پوری عمارت انسانیت کی فطری وجاہت و حشمت کا نادر نمونہ قرار پائے گی۔ اگر یہ پہلی اور بنیادی اینٹ ٹیڑھی جمائی گئی تو پھر تا ثریا معاشرتی عمارت کج ہی رہیگی۔ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

معاشرے کی پہلی اینٹ انسان ہے۔ ایک ایسا انسان جس کی اساسی قدر خود اسکی اپنی شخصیت ہے۔ اس کی اپنی ذات، اسکی اپنی انا، یہ ذات اور یہ انا اس کے بالکل علیحدہ تشخص کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ہر انسان ایک مختلف شخصیت ہے۔ اس شخصیت کی تہہ میں ایک کبریائی شرر دمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اب ایک علیحدہ فعال شخصیت کا دوسری علیحدہ شخصیت سے اتصال بظاہر مشکل نظر آتا ہے اس لئے کہ ہر انسان کی اپنی خودی اس کو اپنے ذاتی مفاد پر اکساتی ہے۔ وہ جمہور سے اس حد تک تو تعاون کرتا ہے جس حد تک اسکا اپنا مفاد ہو۔ اگر ایک انسان کے انفرادی مفاد پر زد پڑتی ہے۔ تو وہ اسے قبول نہیں کرتا۔ اگر جمہور کے مفاد کیلئے اس پر دباؤ ڈالا جائے تو پھر یہ اندیشہ بھی لاحق ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں اس کے اندر کم قدری کا احساس ابھرے گا۔ یہ احساس پھر اسکی اپنی انا یعنی تشخص کو کچل دے گا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں احساسِ کمتری کے جذبات جنم لیتے ہیں اور پھر ایک انسان میں اس کی حقیقی انسانیت تحقیرِ ذات کے باعث دم توڑ دیتی ہے۔ انسان خوشامدی بن جاتا ہے۔ اور اپنے سے قوی انسان کی غلامی کا طوق لاشعوری طور پر پہننے کے لئے امادہ ہو جاتا ہے۔ جسکی وجہ سے احترام ذات اور عزتِ نفس ایسی شائستہ اقدار انسانی زندگی میں مسخ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دوسری جانب ظلم و جبر اور ہوسِ اقتدار کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ایک قوی انسان دوسرے کمزور انسان پر اپنی مرضی ٹھونسنے اور اس کے حق کو اپنا حق سمجھ کر اپنے ہوس آلود جذبات کو تسکین بہم پہنچاتا ہے انسانی معاشرے میں افراد کے مابین تعلقات کی یہ ناہمواری ایک سنجیدہ اور صحت مند معاشرتی عمل میں ایک تضاد کی صورت میں نمودار ہو جاتی ہے۔ ان تضادات سے خوف و ہراس کے جذبات ابھرتے ہیں۔ یہ وحشت انگیزی انسان کے فکری خلفشار کا موجب بنتی ہے خیالات کی یہ پراگندگی انسان کو پتھروں اور آگ کے سامنے سجدہ ریزی پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ انسانی تذلیل کی وہ منزل ہے جہاں انسان

اپنی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور انسانی معاشرے میں دہشت گردی کی فضا میں خوف زدہ ہو کر ان پتھر کے خداؤں کا پجاری بن جاتا ہے۔ تاکہ وہ من کی مرادیں پاکر سکونِ قلب کی پرکیف فضا میں جینے کے قابل بن سکے۔ اگر یہ اس کا وہم باطل ہوتا ہے۔ لیکن معاشرے میں اپنی تحقیرِ ذات سے پیدا شدہ محرومی اور حسرت و یاس سے آنکھیں چراتے ہوئے اس وہم باطل سے بھی لپٹ جاتا ہے۔ اس ذہنی کج روی میں وہ اپنی انا اور شخصیت کی تذلیل بھی گوارا کر لیتا ہے۔

انسانی معاشرے کی بنیاد چونکہ فرد تسلیم ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ افراد اگر بزدل اور توہم پرست ہیں تو انسانی معاشرے میں سماج کی بنیادیں بھی غلط عقائد اور رسوا کن رسومات پر استوار ہونگی۔ تہذیب و ثقافت کا سرچشمہ ہمیشہ سماج ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے معاشرے میں تہذیبی اور ثقافتی زندگی بھی مضحکہ خیز اور کبر و نخوت سے بھرپور روایتی انداز کی آئینہ دار ہوگی۔ ظالم و جابر انسان اپنی طاقت کے مظاہرے سے معاشرتی خطوط میں کمزور انسان کے خون سے رنگ بھرتے گئے۔ پرانے ثقافتی آثار انسان کے باطل پرست اور تکبر سے لبریز کرداروں کا تاریخی مطالعہ یہ معاشرتی رخ آج بھی ہمارے سامنے لاتا ہے کہ انسان اپنی پرغرور انا کے پیش نظر اپنی قوت اور شانِ ملوکیت کا اظہار وحشت انگیز اور خونخوار جانوروں کے روپ میں کیا کرتا۔ موہنجوداڑو میں شیر اور فیل آج بھی اپنی زبانِ حال سے انسان کے اسی معاشرتی پہلو کے عکاس ہیں۔

اب ان معاشرتی تضاد پر گفتگو کرتے ہوئے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ [illegible] کا اصلاح کیسے ممکن بن سکتی ہے؟ بذاتِ خود انسانی عقل و دانش اس کی اہل ہے کہ وہ خود ایسے مضبوط اصول وضع کر سکتی ہے جو معاشرتی اصلاح میں مؤثر اقدار ثابت ہوں؟ انسانی عقل و دانش کے تاریخی پہلو یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ انسانی غور و فکر فلسفیانہ موشگافیوں میں الجھ کر خود مجموعۂ اضداد بن گئی اور معاشرتی اصلاح کے ہمہ گیر عوامل انسانی زندگی میں ہرگز نہ ابھر سکے۔ البتہ انسانی غور و فکر نے سطحی طور پر صرف اصلاح کا مفہوم متعین کیا۔

اصلاح | اصلاح کے لغوی مفہوم علمائے لغت نے یوں واضح کئے ہیں کہ ترمیم کرنا، درستی کرنا، ترتیب دینا، نقص دور [illegible] کہ جب انسانی غور و فکر خود تضادات کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہے تو پھر غلطیوں کی نشاندہی کیسے [illegible] یعنی ایک فرد جو معاشرے کی اساس ہے وہ اپنی [illegible] اور ایک دوسرے سے [illegible] معاشرے [illegible] فرد باہم دگر یوں منسلک ہو کہ وہ از خود ایثار و قربانی پر [illegible] باہمی حقوق اور مفادات کو ہر [illegible] خاطر رکھے۔ انسان ایک دوسرے کو غلام بنانے کی بجائے اصولوں کا پیروکار بن جائے۔ ایسے اصول جو باہمی مساوات اور برابری کی بنیاد پر مشتمل ہوں۔ مگر ایسے اصول کیسے وضع ہوں۔ جب انسان اپنے نفس کا غلام، کبر و نخوت کا پرستار، اپنی ناقص عقل کا شیدائی ہو۔ اس قدر ناقص فہم جو خود پتھر کی مورتیوں کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ اپنی انا اور خودی کی حقیقت کو نہ پہنچ سکے۔ لیکن بزعم خویش اپنی ہی قبیل یعنی بنی نوع انسان کی کمزوریوں اور مجبوریوں سے فائدہ اٹھائے۔ انسانی استحصال پر اپنی حکومت کی بنیادیں تعمیر کرے اور ایسے اقتدار سے دستبردار ہونے پر تیار نہ ہو۔ ظاہر ہے یہ باتیں انسانی معاشرے میں گہرائی تک اپنی جڑیں نہ صرف پھیلا چکا تھا۔ بلکہ مضبوط بھی بنا چکا تھا۔ بطور خاص برصغیر ان تاریکیوں میں الجھا ہوا تھا۔

باطل کے اس گھٹا ٹوپ اندھیروں میں برصغیر کی سرزمین پر انسانیت تڑپتی تو یہ کراہٹیں سن کر محمد بن قاسم اور

محمود غزنوی جیسے حق پرست مجاہدوں کی تلواریں اپنے اپنے وقت صاعقہ بن کر چمکیں اور باطل کے صنم کدوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ زنار ڈھیروں کی شکل میں نذرِ آتش ہوئے۔ محض اس لئے کہ انسانی معاشرے میں صحیح اخلاقی اور اسلامی اقدار کو مضبوط بنایا جا سکے۔ برصغیر میں وہ دینِ حق جو خالقِ جن و انس نے وضع فرمایا۔ نافذ ہو سکے۔

برصغیر کی سرزمین پر جب دینِ حق کی شعاعیں جلوہ بار ہوئیں۔ تو بزرگانِ دین کی طرزِ زندگی اور اندازِ غور و فکر سے یہ حقائق اجاگر ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ درست سہی کہ بظاہر معاشرہ ایک ہی طرز، یکساں نظریات یا تہذیب و ثقافت کے حامل افراد پر مشتمل سوسائٹی کو کہا جاتا ہے لیکن اسکا گہرا تجزیہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ افراد یکساں نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے جو بھی طرزِ معاشرت، تہذیب یا ثقافت وضع کرتے ہیں تو گویا انکا یہ خاص عمل ہوتا ہے۔ جو بنی نوعِ انسان میں ایک مخصوص اور منفرد طریقِ معاشرت کا مظہر قرار پاتا ہے۔ بنی نوعِ انسان مخصوص افراد کا مخصوص نظریات تخلیق کرنا اور پھر ان نظریات کی روشنی میں ایک جدا تہذیب و ثقافت کی تشکیل درحقیقت مخصوص افراد یا سوسائٹی کا وہ عمل ہے جس کے نتیجے میں بالفاظ دیگر ردِ عمل کے طور پر منفرد معاشرے کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ یہ مفہوم نسلِ انسانی کے ذہن کو ایک خاص طرزِ معاشرت اور تہذیب و تمدن کیطرف منتقل کر دیتا ہے۔ اب یہ بات ثابت ہوئی کہ معاشرے کی حقیقی بنیاد افراد اور ان افراد کا عمل معاشرے کی شکل میں متشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر افراد کا عمل کسی سوسائٹی میں قانونِ فطرت کے تابع نہیں رہتا۔ اگر افراد فطرت سے بغاوت پر اتر آئیں تو ردِ عمل یعنی معاشرہ بھی اپنی [illegible] شان و شوکت جو فطرت کے عین مطابق انسانیت کی عظمت اور بشریت کی آن بان سے ہرگز بروئے کار نہیں لا سکتا۔ ایسی صورت میں جبکہ فرد کی شخصیت اور اس کی جبلتوں میں وہ توازن اور حسن پیدا نہ ہو جس کو "احسنِ تقویم" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس وقت تک معاشرے کی اصلاح ناممکن ہے۔

برصغیر میں بزرگانِ دین اور حضرت خواجہؒ جیسے اولیاءؒ اور علماءؒ نے ان معاشرتی حقائق کو محسوس فرماتے ہوئے اپنے اپنے وقت پر افراد کے عمل پر اپنی نگاہ رکھی اور ان کی نفسیات کے مطابق ان کے اذہان میں تبدیلی پیدا کی اور ان حقائق کو انتہائی خوبصورت انداز سے افراد کے ذہن میں اجاگر کیا کہ جس خالقِ کائنات نے انسان کو ایک عظیم الشان تخلیق فرمایا ہے۔ اسی قادرِ مطلق نے اس کائنات پر انسانی معاشرے کو بشری شان و شوکت کا نادر نمونہ بنانے کی غرض سے اپنے اپنے [illegible] زندگی بھی عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ ایک جامع ضابطۂ حیات بتوسط ختم الرسل انسان کو عطا فرما دیا [illegible] معاشرت کو ختم [illegible] الانسان توحید و رسالت کے [illegible] اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی طرزِ معاشرت کو یکساں بنانے کے اہل بن جائے۔ چنانچہ ختم الرسل اور شاہِ زمن نے پوری انسانیت کی تاریخ میں ایک ایسا سائنٹیفک دستورِ حیات مرتب فرمایا جو تا ابد انسانی معاشرے میں دینِ فطرت کی حیثیت سے رشد و ہدایت اور معاشرتی اصلاح و فلاح کی ضمانت رہیگا انسانی معاشرے میں افراد کے مختلف طبائع کو ملتِ واحدہ کے ایک مرکزی نکتے پر جمع کر سکے گا۔

یہی وہ پیغامِ حق ہے جس کی ترویج و اشاعت سے معاشرتی اصلاح ممکن بنے اور اسی اصلاح کی غرض سے محمد بن قاسم اور دیگر غلامانِ نبیؐ برصغیر میں پہنچے۔ ان شمعِ رسالت کے پروانوں میں ایک جلیل القدر صحابی مصعب بن عمیرؓ کا خانوادہ بھی کفن بر دوش پہنچا تاکہ وہ دینِ قیم کی ابدی صداقتوں کو یہاں کے معاشرتی عمل کا حصہ بنانے کا فرض ادا کر سکے۔

حضرت خواجہؒ بھی چونکہ اسی خانوادے کے چشم و چراغ تھے آپ نے بھی دینِ حق کی تعلیم مکمل کی۔ اس دین کی حقانیت کو اپنے دل اور ضمیر کی گہرائیوں میں جذب کر لیا۔ پھر مسلسل غور اور ذکر و فکر سے برصغیر میں اس نظام کو انفرادی اور اجتماعی نظام

کی حیثیت سے افراد کے دل و دماغ میں ایک یقین کی صورت میں پختہ بنا دیا۔ اس حقیقت کو نہایت خوبصورت انداز سے واضح فرمایا کہ ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

آپ کے عمل اور متواتر تبلیغِ دین شریعت سے افراد کے دلوں میں ان اصولوں کی صداقت پختہ ہوتی گئی۔ اس پختگی سے افراد کے اعمال میں شرعی اصول حسن پیدا کرنے لگے۔ افراد کے عقائد شرعی اصولوں پر مستحکم ہوئے۔ یہ استحکامِ یقین کی وہ بنیادی قوت ثابت ہوا جس کے بل بوتے انسانی کردار برصغیر میں فلاح و خیر کا پیغام بن گئے۔ آپ کی اس کد و کاوش سے یہ مشکل آسان ہوتی گئی کہ معاشرے میں افراد مختلف مزاج اور عقائد کے حامل ہوتے ہیں اور یہ تضاد معاشرتی اصلاح میں سنگِ گراں ہے۔ آپ کے عمل نے یہ سنگِ گراں اصلاح کے راستے سے ہٹا لیا۔ یہ صداقت، صداقت کے روپ میں ابھری کہ قبولِ حق کی صلاحیت بھی خالقِ کائنات نے انسانی مزاج میں ودیعت کی ہوئی ہے۔ آپ کی موثر تبلیغ اور بہتر عمل سے افراد کے اعمال میں دینِ فطرت کے فطری اصول اپنا دلکش رنگ نکھارنے لگے۔ جس کے نتیجے میں آپ کے حلقۂ گوشش اخلاقِ محمودی میں ڈھلتے اور سنورتے چلے گئے۔ برصغیر کی معاشرت میں یہ حقیقت بھرپور انداز میں نمایاں ہوئی کہ شریعت معاشرتی اصلاح میں مطلق صداقت ہے۔ ایک ایسی صداقت جو انسانی فہم و فراست اور عقل و دانش ہرگز مہیا نہیں کر سکتی۔ یہ پاکیزہ اور الوہی دینِ فطرت ہی معاشرے میں وہ اٹل صداقت ہے جس کی روشنی میں افراد کی زندگی جوں جوں ڈھلتی جائے گی توں توں معاشرہ اصلاح پذیر ہوتا چلا جائے گا۔ دلوں میں سوز اور عمل میں گداز پیدا ہوگا۔ اشکِ سحرگاہی پر تاثیر نظر آئیں گے۔ انسان کی تقویم خودی سے آدمیت جاگ اٹھے گی جب تک تقویمِ خودی نہ ہو معاشرہ آدمیت کا عکاس نہیں ہو سکتا۔ ؎

بے اشکِ سحرگاہی تقویمِ خودی مشکل
یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنارِ جو

حضرت خواجہؒ کی یہی وہ بھرپور علمی اور عملی جدوجہد ہے جس کے باعث آپ سلسلۂ چشت کے بزرگوں میں جاندار اور نمایاں شخصیت کے حامل قرار پائے۔ آپ نے دینِ فطرت کی روح کو معاشرے کی رگوں میں رواں کیا۔ پیر روشن کے ذوق و شوق سے اتباعِ قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ جملہ بزرگان کی فکرِ رسا اور قلبِ روشن کی جلوہ سامانیوں میں اپنی عملی زندگی کی راہیں متعین کیں اور برصغیر کی معاشرت میں شریعتِ محمودی کا پاکیزہ کردار بن کر چمکے اور اس نظریئے کو راسخ کر دیا جو اقبال کی زبان سے یوں ادا ہوا۔ ؎

پرورشِ دل کی اگر مدِ نظر ہے تجھ کو
مردِ مومن کی نگاہِ غلط انداز ہے بس!

حضرت خواجہؒ کی یہی وہ شخصیت ہے جس کو برصغیر کی معاشرت میں نہایت درجہ موثر انداز میں اصلاح و فلاح کی روشن قندیل سمجھتے ہوئے خود آپ کے پیر و مرشد حضرت حافظ جمال اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے نہ صرف اپنی زندگی میں تعریف فرمائی بلکہ انہوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کرتے وقت حضرت خواجہؒ کو یہ فرماتے ہوئے بہت بڑا اعزاز بخشا کہ "اب عثمان کی چابیاں خدا بخش کے پاس ہیں۔"

اسی طرح آپ کی گراں قدر علمی شخصیت اور برصغیر کی معاشرت میں آپ کے اصلاحی کارناموں کے پیش نظر

حضرت قبلہ عالم نور محمد مہاروی اور حضرت فخر جہاں دہلوی نے ہی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا۔ یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ جب تک کوئی انسان اپنے عقائد اور نظریات کو اپنی زندگی کے پیکر میں نہ اتار لے اسوقت تک اس کے نظریات و عقائد علم و بصیرت کے تقاضوں کے مطابق معاشرتی اور مجلسی زندگی میں جاندار کردار نہیں بن سکتے۔ اسلئے کہ جو بھی کوئی مفید عقیدہ یا کوئی زندہ تصور الفاظ کی حد تک محدود رہے گا وہ بے حس و حرکت اور جامد و ساکت ہے۔ محض الفاظ کی خوبصورت ساخت و پرداخت بہترین مقاصد اور تعمیری نظریات کی روح کو کچل کر رکھ دیتے ہیں اور معاشرہ ان کی افادیت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ مقاصد اور تعمیری نظریات حسنِ عمل سے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہؒ کا معاشرتی اور مجلسی زندگی میں یہ عظیم کارنامہ ہے کہ آپ نے دینِ شریعت اور اسوۂ رسول کو انسانی معاشرے میں مطلق صداقت اور وسیلۂ نجات سمجھا اور اسکو اپنے عمل میں ڈھال لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ آپ کے حسنِ عمل سے مجلسی زندگی میں دمکتا ہوا پاک و صاف آدمیت کا بہترین نمونہ بن گئی۔ آپ سرمست رہتے مگر یہ سرمستی سراپا حیرت نہیں بلکہ نور بکھیرتا ہوا فکرِ بلند اور مکمل آگاہی سے ہمکنار تھی۔ آپ کے اس فکرِ بلند اور روشن خیالات سے ظلمتِ شب میں بھٹکتے ہوئے راہی صراطِ مستقیم پاتے۔ آپ عالم تھے اور آپ کے علم کا مقصود معاشرے میں پاکیٔ عقل و خرد ثابت ہوا۔ آپ کا فقر بھی بلندیٔ فکر و نظر اور علم بھی مقامِ معرفت تھا۔ آپ کا دل زندہ و بیدار اور نظر آئینہ مہر و ماہ کو بھی خاطر میں نہ لاتی تھی۔ انسانی معاشرے میں آپکا ظاہر اور باطن ایک ہو کر رہ گیا۔ آپ چونکہ دینِ حق کے پرستار تھے۔ اور دینِ حق ایسے عقائد اور اصولوں کا مرقع ہے۔ جو عقائد اور اصول انسانی معاشرے میں ایک ایسے قانون کی حیثیت رکھتے ہیں جو خود انسانی فطرت کے اندر موجود ہیں۔ یہ وہ مقدس ضابطۂ اخلاق ہے جو بنی نوع انسانی کیلئے قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے۔ اس لئے کہ ان اخلاقی اصولوں کو انسانی معاشرے میں جاری و ساری رکھنے کیلئے قادرِ مطلق نے اسے انسانی فطرت کے مطابق مرتب فرمایا بلکہ یوں سمجھئے کہ اسے انسان کے مزاج اور اس کی زندگی سے ہی اخذ کر کے اس کی تدوین و ترتیب عمل میں لائی۔ عدل و انصاف کے پیمانے محض نظریاتی نہیں بلکہ فی الواقع جیسے حق کے مثبت تصور کو خود انسان محسوس کرتا ہے بالکل اسی طرح انسانی معاشرے کی تشکیل کیلئے وضع فرمائے۔ اس وجہ سے آپ کے قول و فعل نے انسانی معاشرت میں وہ تقویت ابھارے جن سے آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے ہوئے انسان اپنی بکھری ہوئی شخصیت کو متوازن بناتے چلے گئے۔ مذہب ان کی شخصیت میں محض خیال کرنے اور محسوس کرنے کی چیز نہ رہا بلکہ یہ ان کی زندگیوں میں مشہور کرنے والی زندہ و جاوید حقیقت بن گیا۔

حضرت خواجہؒ کی شب و روز کی تبلیغ و تلقین سے اس مثبت حقیقت کی تاثیر معاشرتی عمل میں نمایاں اصلاح و فلاح کی راہیں کشادہ کرنے لگی کہ جیسے انسان کے اعمال ہوتے ہیں ویسا ہی معاشرہ متشکل ہو جاتا ہے۔ گو معاشرہ انسانی کردار و افعال کا عکس ہے۔

انسانی معاشرے میں آپ کی طرزِ تبلیغ، آپ کے گرانقدر خیالات اور آپ کی تحقیق سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ مجلسی اور معاشرتی زندگی میں حقیقی صداقت انسان کو ہی تصور فرماتے تھے۔ لہٰذا آپ نے یہی کوشش فرمائی کہ اسلامی طرزِ معاشرت کی آفاقیت افراد کے خیالات اور نظریات کا حسن بن جاتا ہے تاکہ ان کے دلوں میں جو نخوت، بغض، حسد، تعصب اور خود غرضی جیسے جذبات مختلف انداز اور مختلف انداز اور مختلف مزاج کی صورت میں جو موجود ہیں وہ باہمی محبت ہمدردی اور دیانت و امانت میں بدل جائیں۔ افراد ذہنی خلفشار اور فکری اختلافات سے بلند ہو کر ایک مشترکہ نصب العین کو مجلسی

زندگی میں بدل سکیں۔ اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے مصروفِ عمل نظر آئیں۔

حضرت خواجہؒ نے آدمیت اور انسانیت سے محبت کا جذبہ ابھارنے کی ہمیشہ کوشش فرمائی۔ اس لئے کہ یہ محبت سوزِ جگر ہے۔ سوزِ جگر حصولِ منزل کی تڑپ کا نام ہے۔ یاہمی محبت کا یہی ولولہ معاشرے میں وہ اکسیر ہے جس سے معاشرتی زندگی میں تضادات و اختلافات نقطۂ صداقت پر مجتمع ہو کر آدمیت کی فطری برتری کو معاشرتی عمل کا دلفریب حصہ بنا دیتے ہیں۔ اسلامی طرزِ معاشرت کو آپ نے خود اپنایا ہوا تھا۔ آپ کے اخلاق میں اسوۂ سیّد البشرؐ کی اتباع تھی۔ ایسی اتباع جس سے خالقِ کائنات کو بھی پیار ہے۔ آپ بھی اس پرکشش طرزِ اخلاق اور صالح عمل سے آپ کے عقیدتمند بہت جلد اثر قبول کرتے۔ صداقت بذاتِ خود مقناطیسی اثر رکھتی ہے۔ اس وجہ سے آپ دینِ فطرت کی تلقین سے افراد کے سامنے جو حق کی رضا جوئی کو ایک مشترکہ منزل قرار دیا۔ ایک ایسی منزل جو دائم ہے۔ دائم اور قائم منزل کا حصول روح کی تڑپ اور دل کا سوز ہے جیقیقی سوز اور حقیقی آرزو۔ ایسی آرزو کی تڑپ معاشرتی عمل میں انسانی کردار کو آلائشوں سے پاک کر دیتی ہے۔ معاشرتی سطح پر دنیاوی امیدیں قلیل ہو جاتی ہیں۔ مقاصد مسلسل ہوتے ہیں، سخن دلنواز ہوتا ہے۔ تخیل بلند اور نگاہ دلفریب ہوتی ہے۔ معاشرتی عمل میں فرد بندۂ مولا صفات بن جاتا ہے۔ کارسازی، کار آفرینی اور کارکشائی افراد کے عمل کا خوبصورت جوہر نظر آتا ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو افراد کی زندگی میں انفرادی اور معاشرتی سطح پر سربلندی اور سرخروئی کی ضمانت ہے۔ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس تبلیغ دین سے افراد کے یقین میں پختگی پیدا ہوئی۔ یقین میں پختگی کے بغیر معاشرتی عمل میں اسلامی طرزِ معاشرت کی دلکشی پیدا نہیں ہو سکتی۔ ؎

اے رہروِ فرزانہ بے جذبِ مسلمانی
نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقیں نمناک

افراد کے عمل میں احکامِ خداوندی پر جونہی یقین کی گرفت مضبوط ہوئی تو حق اور باطل میں تفریق معاشرتی عمل میں بھی واضح ہونے لگی۔ افراد کے نظریات میں تضادات کی منتشر شعاعیں مجتمع ہو کر ایک ہی معتدل اندازِ فکر کے آتشیں شیشے سے عکس ریز ہونے لگیں اور اس کا اثر برصغیر کی طرزِ معاشرت پر نمایاں نظر آنے لگا۔

یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہے کہ حضرت خواجہؒ صرف عالم ہی نہیں بلکہ صوفی بھی تھے۔ لیکن آپ نے انسانی معاشرت میں جس تصوف کے انداز کو پیش کیا وہ ذاتی نوعیت کا ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ آپ کے اس انداز سے مجلسی زندگی میں بھی بہت مفید کار انجام پذیر ہوئے وہ یوں کہ آپ نے مذہب کی تفہیم اس انداز میں پیش کی کہ آپ کے حلقہ بگوش افراد میں ایک قابلِ قدر شعور پیدا ہو گیا۔ ایسا شعور جس میں اسلام کی روح کے مطابق وحدتِ عمل کی صلاحیت افراد میں تپشِ شوق بن کر سرمایۂ حیات ثابت ہوئی۔ یہ افراد رنگ و نسل کی بنیاد پر گروہ بندی کا شکار ہونے کی بجائے سرِ کلیم و خلیل کو پا گئے۔ انسان اخوت کے رشتے میں منسلک ہوتا ہے۔ یہی دینِ فطرت اور شریعتِ محمودی کا مقصود ہے۔ آپ نے اس مقصد کو حاصل کر کے برصغیر میں نغمۂ اللہ ھو کی گونج پیدا کر دی۔ اسلامیوں کا ذوق و شوق برصغیر کی معاشرت کی لے بن گیا۔ اسلامی طرزِ معاشرت کی ترویج و ارتقاء کا فریضہ آپ نے جس خوبصورتی سے سرانجام دیا وہ بلاشبہ آپ کا بہت ہی اچھا کارنامہ ہے۔ خواجہؒ اور آپ کے پیش رو اولیاء و صلحاء کی ایسی معاشرتی کاوشوں میں صداقت کا نور اور زندگی کا صحیح معنوں میں سرور اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ ؎

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات

آپ نے مکمل چالیس برس تک قرآن و حدیث کی تعلیم دی۔ علمائے برصغیر کی صف میں بھی نام پیدا کیا۔ تعلیم معاشرے کی اصلاح اور تعمیر میں نہ صرف اہمیت کی حامل ہے بلکہ اس کے بغیر معاشرتی عمل ارتقاء پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ تدریس بغیر کسی معاوضے کے جاری رکھی۔ تشنگانِ علم کے طعام و قیام کا انتظام بھی خود فرمایا۔ آپ کی ان علمی کاوشوں میں بھی ایک خاص رنگ ملتا ہے۔ آپ نے علم کو محض صدا قتوں سے سطحی آگاہی قرار دیا جو محض عقل و خرد کی تابندگی ہے۔ اس تابندگی سے افراد کی نگاہ میں شوخیٔ نظارہ پیدا نہیں ہو سکتی۔ شوخیٔ نظارہ دلِ زندہ سے پھوٹتی ہوئی نورانیت ہے۔ جس سے اسرارِ کتاب کھلتے ہیں۔ دل کی نورانیت صاحبِ نظر کی خصوصی توجہ کی محتاج ہے۔ حضرت خواجہؒ جہاں صاحبِ علم تھے، وہاں صاحبِ نظر بھی۔ سیلِ معانی کا ضبط آپ کی قلندرانہ طبیعت قائم نہ رکھ سکی۔ آپ نے ذوق و شوق سے جہاں دینِ مصطفوی کے مسائل سے طالبانِ علم کو آگاہی بخشی وہاں اسرارِ امّ الکتاب سے شناسائی کا ذوق بھی ان علم کے متوالے افراد میں پیدا کر دیا۔ تاکہ وہ درس گاہ سے فارغ ہو کر معاشرتی زندگی میں پہنچیں تو علم و عمل کا مکمل نمونہ ہوں۔ حیاتِ انسانی کا مقصد بھی ان کے سامنے واضح ہو۔ وہ زندگی کو سمجھیں، محبت کو جانیں اور وہ بالغ نظر بھی ہوں۔ معاشرتی دوڑ میں مشترکہ نصب العین ان کے پیشِ نظر ہو۔ مجلسی زندگی میں اگر افراد اپنی مشترکہ منزل بھی پہچانتے ہیں تو ان کا عمل خود بخود بے ساختگی سے انسانی فطرت کے مطابق اور بشری آب و تاب سے لبریز معاشرہ تخلیق کرتا چلا جائے گا۔

آپ کے سامنے جن افراد نے زانوئے تلمذ تہہ کیے وہ آدابِ معاشرت سے بھی باخبر تھے۔ آپ ہمیشہ درس و تدریس میں بھی طلباء کے عام رویے پر بڑی گہری نظر رکھتے۔ تاکہ کوئی ایسا فعل انکی عادت نہ بن جائے جو شوکتِ آدمیت کے خلاف ہو۔ غریبوں سے ہمدردی، اپاہجوں سے تعاون، ہمسایوں سے بہتر سلوک، چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں کا ادب گویا یہ سب باتیں آپ کے اسباق کا جزو ہوتیں۔ یہاں تک کہ مسجد میں بھی آپ جملہ حاضرین پر نگاہ رکھتے۔ بقول مولانا عبد اللہ بنانی ایک دفعہ آپ نے ایک فرد کو اس انداز میں نفل نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا کہ اس کی بیٹھ ایک سفید ریش بزرگ کی طرف تھی فوراً آپ نے یہ ہدایت فرمائی کہ یہ آدابِ معاشرت کے خلاف ہے۔ اسی طرح آپ مجلس میں پُرتکلف انداز میں انتہائی سنجیدہ بن کر دو زانوں تہہ کیے زیادہ دیر تک بیٹھنے کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ سنجیدگی میں اعتدال اور تکلف میں توازن پہ زور دیا جاتا تاکہ مجلسی زندگی میں تصنع، ریاکاری اور غیر فطری انداز نمایاں نہ ہوں۔ سادہ کھانا، سادہ پہننا اور ہنس مکھ رہنا آپ کی بہترین عادات میں سے تھا۔ یہی عادتیں آپ نے اپنے ہمنشیں افراد میں مستحکم بنا دیں۔ تاکہ معاشرتی عمل میں پالیدگی، شگفتگی اور تنوع پیدا ہو سکے۔

دینِ فطرت اور اسوۂ نبیؐ ہی اصلاحِ معاشرہ کی ضمانت ہیں۔ یہ سب بدل صداقت ہے کہ جس دین ختم الرسل نے تبلیغ فرمائی اسی دین کو آنحضرتؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ کی مکمل عملی صورت میں بھی پیش فرمایا۔ یہی دین درحقیقت مجلسی اور معاشرتی زندگی کا اساسی عمل ہے۔ یہی عمل انسانی مزاج اور طبیعت میں گوناگوں جبلتوں اور متضاد کیفیتوں کو اعتدال پہ لا کر ایک معتدل کیفیت بنا دیتا ہے۔ حضرت خواجہؒ چونکہ عاشق اور پرستارِ خدائے لم یزل تھے اس وجہ سے آپ نے جہاں خود اپنی زندگی کو دینِ فطرت اور اسوۂ رسولؐ میں تبدیل کیا وہاں معاشرتی زندگی میں بھی افراد کے خیالات و عقائد کو اپنی مسلسل جدوجہد سے دینِ قیم کے اعلیٰ و نفیس شیشے میں اتار دیا۔ خیالات و عقائد انسانی عمل کی اساس ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ کے گرد جن مریدان

اور طالب علموں کا جو ہجوم رہتا وہ آپ کی گفتگو اور کردارِ عمل سے متاثر ہوتے۔ ان کے کردار و عمل میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ آدمی سوسائٹی سے پہچانا جاتا ہے۔ یعنی افراد کے اعمال میں ان کے مصاحب کی صفات، معمولات اور عادات جھلکتے ہوئے نظر آئیں گے۔ فرائیڈ کی تحقیق بھی یہی ہے اب انہی حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرد معاشرے کی بنیاد، افراد معاشرے کا وجود اور افراد کے میل جول کا نام معاشرہ ہے۔ وہ اصول جو فرد کو افراد سے شائستہ انداز میں یکجا رکھیں۔ فرد اور افراد کے مابین عدل و انصاف پر مبنی تعلق قائم کر دیں وہ معاشرتی فلاح و خیر کے عکاس ہیں۔ یہ اصول دینِ قیم میں موجود ہیں۔ برصغیر میں خواجہؒ جیسے علماءؒ اور صلحاءؒ نے معاشرتی عمل میں ان اصولوں کو پختہ کر دیا۔ خواجہؒ کے مرید بہت کثیر تعداد میں تھے۔ جن کو آپ کی تعلیمات نے دینِ مبین میں ڈھال دیا۔ یہ آپ کی صحبت کا اثر تھا کہ ان افراد میں یہ شعور ابھرا کہ انسان خدا کے روبرو کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ لیکن خالق نے خود اپنی مخلوق اپنی صفتِ اختیار و ارادہ سے متصف کر دیا ہے۔ انسان افضل و برتر بھی اسی صفت کے بل بوتے قرار پایا۔ دینِ قیم بھی ربِ جلیل کی الوہی اور صفاتِ جلیلہ کا مقدس مجموعہ ہے۔ یہ صفاتِ جلیلہ انسان اور آدمی کا ضابطۂ حیات ہیں۔ اس سے بڑھ کر آدمیت کی اور کیا اعلیٰ و ارفع حقیقت ہو سکتی ہے؟ اس حقیقت کی پہچان انسان کی خودی کی پہچان ہے۔ دلِ زندہ کی دیدۂ بینا سے یہ حقیقت جب افراد پر منکشف ہوتی ہے تو گویا وہ ایک وجدانی قوت سے دوچار ہو جاتے ہیں جس کے باعث گلہ گوئی اور خود غرضی کے جذبات دم توڑ کر رہ جاتے ہیں۔ خالق کی افضل و اعلیٰ صفت سے متصف ہونے کا احساس ایمان کا نور ہے، ایمان کی سنگتی ہے۔ اس [illegible] ہونے میں حضور و سرور کی لذتیں ملتی ہیں۔ حق پرستی اور سچائی [illegible] معاشرت میں بھی انسان کا [illegible] جاتی ہے۔ جھوٹ مر جاتا ہے۔ اسی صداقت کی توانائی خواجہؒ کی صحبت [illegible] بیٹھنے والے افراد میں وہ ذوق و شوق ابھارتی جس سے دینِ فطرت کا ہر اصول ان کے [illegible] معاشرتی عمل کا سنگار بن جاتا۔ جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ الیاسی وجدان اور کیف و مستی جس کا خمیر دینِ حق کی سمجھ بوجھ اور اقتدار سے اٹھا ہو وہ معاشرتی عمل میں فرد کی تکمیلِ ذات سے لے کر پورے معاشرے کی اصلاح و فلاح کا موجب ہے۔ اسی وجدانی حقیقت کو دانشور افراد نے بہت ہی مؤثر کردانا ہے۔ فرائیڈ نے جب اس حقیقت پر تحقیق کی تو برملا کہہ دیا۔ کہ وجدان معاشرتی عمل میں عقل سے بھی زیادہ مؤثر کردار ادا کرتا ہے اقبال نے بھی جب اولیاء کی زندگی پہ گہری نظر ڈالی تو بے ساختہ یہ کہہ اٹھے۔ ؎

ایک سرمستی و حیرت ہے سراپا تاریک
ایک سرمستی و حیرت ہے تمام آگاہی

خواجہؒ کی زندگی گواہ ہے اور تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ آپ نے جس کا ہاتھ تھاما اور جس پہ نگاہ ڈالی اس کے باطن میں موجزن نفسیاتی جذبات کی غلط رو لہروں کو دینِ خداوندی کی روشنی میں منتقل کر دیا۔ برصغیر کے ان بزرگان کی ان پرتاثیر کاوشوں کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے اقبال نے یہ کہا۔ ؎

نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ اے ہمنشیں مجھ سے وہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

حضرت خواجہؒ نے افراد میں عبادتِ وجودِ مطلق کا ایک ولولہ پیدا کیا کہ جس کے باعث نماز حقیقتاً معراج بن گئی۔ افراد اپنے من کی دنیا میں یوں کھوتے کہ بے ساختہ ان کے قول و فعل میں جذب و شوق کی پر رنگ آمیزی معاشرتی

عمل میں بھی نمایاں ہو کر رہ گئی۔ قساوت قلبی رقت قلب میں بدل گئی۔ طبیعت میں گداز پیدا ہوا اور پھر اس کے معاشرتی کردار میں بھی خاموش انقلاب آیا۔ وہ یہ کہ انکی جیب میں کھنکتے سکے ان کی گویا ذاتی ملکیت نہ رہے بلکہ انکا ایک معقول حصہ غریب و نادار افراد کی تعلیم پر خرچ ہوا یا یتیم و بیوہ کی سسکتی ہوئی زندگی کی تسکین کا موجب بنا۔ دنیاوی جاہ و حشمت کے باوجود ایسے سلوک یافتہ افراد نے عالمِ جذب و مستی من کی دنیا اور فقر کو اپنی متاعِ عزیز سمجھا۔ جس کے مقابلے میں معاشرے میں صرف "تن کی دنیا" ذاتی منفعت اور نفسانی خواہشات سے بھرپور سود و سودا یا مکر و فن واضح ہو کر رہ گئی۔ جس کا تاثر انسانی معاشرے میں یوں قائم ہوا کہ اس کی صدائے بازگشت نسل در نسل برصغیر میں دور دور تک سنی گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن اقبال کے وجدان میں بھی یہ ہوک اٹھی۔ ؎

من کی دنیا، من کی دنیا، فقر و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا، تن کی دنیا، سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

حضرت خواجہؒ نے عبادات کو نہ صرف اپنی زندگی میں اپنا محبوب مشغلہ سمجھا بلکہ اپنے جملہ مریدین، متوسلین اور متعلقین میں بھی عبادات کو ایک مرغوب عمل کی صورت میں جاری رکھنے کا ذوق اور وجدان پیدا کر دیا۔ عبادت سے افراد کے عمل میں حسن پیدا [illegible] معاشرت کی جبیں پر دلکشی کی افشاں چن دیتا ہے۔ عبادت مستقل اور دائم صداقت کا قرب حاصل کرنے کی جد و جہد کا نام ہے۔ مسلسل جد و جہد [illegible] و تازہ معاشرتی ارتقا کا محور ہے۔ عبادت خیالات کی پاکیزگی ہے۔ پاکیزہ خیالات، الوہی جذبات کو جنم دیتے ہیں۔ ان الوہی جذبات میں حیا اور غیرت [illegible] ہوتا ہے۔ حیا اور غیرت کی پُر کیف تپش عقل و خرد اور قلب و نگاہ کی عفت ہے۔ یہ قلب و نگاہ کی عفت معاشرتی کردار کے عمل کے احیاء کی بنیاد ہے۔

عبادت دانشور کی آگاہی میں حیرت کو ختم کر کے یقین کی سرمستی پیدا کر دیتی ہے۔ یقین کی سرمستی [illegible] جس سے افراد میں فکرِ بلند کی صلاحیت نمایاں ہوتی ہے۔ معاشرتی عمل میں مسلسل تابندگی بن کر تہذیب کی قبائے زرنگار [illegible] مسلسل عبادت سے باطل کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ انسانی معاشرت میں انسان اپنی انسانیت کے تحفظ کے لئے چیتے کا جگر حاصل کر لیتا ہے اور اپنی عظمت اور سربلندی کے حصول کی غرض سے اس میں شاہین کا تجسس ابھر آتا ہے۔ یہی تجسس انسانی معاشرت اور ملتِ مسلمہ کی رگوں میں خون بن کر گردش میں نظر آتا ہے۔ یہی تجسس افراد کی زندگی میں جگر کا سوز اور نگاہ کی مستی بن جاتا ہے۔ ایک ایسی مستی جس میں پراگندگی نہیں بلکہ سکون اور یقین کا شہد ملتا ہے۔ جس میں فکر کی لذتیں ہوتی ہیں۔ ایسی لذتیں جو قیصر و کسریٰ کو بھی خاطر میں نہیں لاتیں۔

حضرت خواجہؒ ان کے بزرگ اور حلقہ بگوش، یہی وجہ ہے کہ مادی وسائل سے آراستہ و پیراستہ اور جاہ و حشم کے حامل افراد کو ہرگز خاطر میں نہ لاتے اپنے فقر پر قانع انسانی خودداری کا معاشرے میں بہترین مظہر تھے گویا وہ غربت میں بھی خودی کے نگاہبان تھے۔ زندگی کے ہر نقش میں "اللہ ھُو" کا سوز گھلا ملا تھا۔ یہی وہ سوز ہے۔ جس کرچاؤ نے انکی آہِ سحرگاہی کو باثمر اور تاثیر خیز بنا دیا۔ یہی انسانی معاشرے میں وہ فقید المثال نمونے ہیں جس پر تحقیق کرنے سے عقل و خرد یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ تن اگر بے روح نہیں اور روح خدا آشنا ہے تو پھر خدا بھی اس تن جاں آفریں سے ہرگز بیزار نہیں رہ سکتا۔ بجا طور پر یہی انسان انسانی معاشرے میں اہلِ صفا تھے۔ ان کی صحبت اور طرزِ معاشرت میں نور و حضور و سرور ہی تھا۔ یہی وجہ ہے۔

کہ وہ انسانی معاشرے میں آدم گری جانتے تھے اور آئینہ سازی سے کلیتہً ناآشنا رہے۔ اسلامی معاشرے کا یہی وہ فقر ہے جس کو اقبالؒ جیسے مفکر نے اپنے وقت پر ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ ؎

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان فقیر منش اور مسکین صفت بزرگوں نے برصغیر میں اسلامی اخلاق اور طرزِ معاشرت کو ابھارنے اور کردار سازی کی مہم میں کیسے کامیاب ہوئے؟ اس کا جواب ہمیں اس تکنیکل تجزیئے میں ملتا ہے۔ کہ انسانی معاشرے کا اصل سرمایہ اور حتمی صداقت انسان ہے۔ افراد ہی طرزِ معاشرت کے بنیادی کردار ہیں۔ یہ کردار جن صفات سے متصف ہونگے۔ وہ صفات انکے عمل سے مجلسی زندگی میں چمک پیدا کریں گے۔ یہی چمک کسی معاشرے میں مجتمع افراد کے عمل کا ردِ عمل ہے اور اس ردِ عمل سے معاشرے کا مفہوم اور نوعیت پیدا ہوگی۔ ورنہ افراد سے ہٹ کر معاشرہ کسی جدا وجود کا نام نہیں گویا معاشرہ عین انسان ہے اور یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ کوئی عین بذاتِ خود علیحدہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے انسانی کردار و عمل وہ اعیان یعنی ایسی نشانیاں ہیں جن سے معاشرے کے وجود کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یوں یہ بات ثابت ہوئی کہ انسان کے کردار و عمل کو مستقل صداقتوں کے قالب میں ڈھال لی جائے۔ معاشرہ خود بخود اصلاح پذیر ہو جائیگا۔

اسلامی معاشرت میں مستقل صداقت دینِ خداوندی اور شریعت محمدی ہے۔ خواجہؒ نے بھی پورے یقین سے یہی فرمایا کہ وہ صداقتیں شریعت محمدی کے اصول ہیں۔ ان اصولوں پر یقین معاشرتی عمل میں اسوقت پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جب انسان کے ذہن میں توحیدِ باری کا تصور پختہ ہو۔ یہ تصور وہ عقیدہ ہے جو جس وقت تک انسان کے ذہن میں پختگی حاصل نہ کرے۔ اسوقت تک انسانی عقل و دانش کی گمراہی کے امکانات باقی رہتے ہیں۔ یہ گمراہی انسان کو مطلق صداقت یعنی وجودِ باری کی صحیح پہچان سے محروم رکھتی ہے۔ حالانکہ انسان جسطرح معاشرے کی عظیم صداقت ہے اور اس صداقت کے کردار و عمل میں جو ارفع و اعلیٰ صفات ہیں۔ وہ ردِ عمل کے طور پر جب معاشرے میں عکس ریز ہوتی ہیں تو گویا اس کائنات میں انسانی عظمت اور بشری آن بان نمایاں ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اس کائنات میں سب سے اعلیٰ و ارفع صداقت وجودِ ذاتِ حق ہے۔ وجودِ ذاتِ حق عین کائنات ہے اور عین انسان بھی۔ تخلیقِ انسان اور تکوینِ کائنات وہ حقائق ہیں جن کی حقیقی بنیاد خالقِ کائنات کی قوتِ تخلیق اور صفتِ صناعی ہے۔ بغیر کسی خالق اور صانع کے نہ وجودِ انسان تخلیق پذیر ہوتا اور نہ یہ حسین و جمیل کائنات وجود آشنا ہوتی۔ گویا خود انسان اور یہ مادی کائنات وہ اعیان یعنی وہ نشانیاں ہیں جن کو ایسے شفاف آئینہ کی حیثیت حاصل ہے جس میں توحیدِ حق کی عظیم تر صداقت اپنی جملہ صفات سمیت چمک رہی ہے گویا وجودِ مطلق اور توحیدِ باری کی بے مثل اور یکتا صداقت انسانی معاشرے میں سراسر، ہر سو اور انسان کے روبرو اس قدر قریب اور حاضر و موجود ہے۔ جسطرح وجودِ انسانی میں شہ رگ۔ لہٰذا حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے انسانی معاشرے میں سب سے پہلے انسان کے ذہن میں وجودِ حق تعالیٰ کی اس واحد و یکتا صداقت کا یقین پختہ کر دیا تاکہ انسانی معاشرے میں مختلف افراد کی قوتِ فکر میں سکون اور سنجیدگی پیدا ہو۔ انسان کے مزاج اور اس کی فطرت میں جملہ جبلتیں اعتدال پذیر ہوں۔ انسانی خیالات میں تضاد کو ختم کیا جا سکے۔ ہر فرد کو جو حقیقتاً اپنا ایک مخصوص مزاج اور مختلف تشخص رکھتا ہے۔ اپنی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے بھی مساویانہ انداز میں دوسرے افراد کے سامنے حسن و اخلاق کا مظاہرہ کرنے اور وہ مل جل کر معاشرتی عمل کو آگے بڑھانے کے لئے مستعد نظر آئے۔

حضرت خواجہؒ نے انسانی معاشرے کی تعمیر اور افراد کی اصلاح میں اس اصول کو بھی اپنایا کہ سوچ کی تکرار لاشعوری بندھن توڑ دیتی ہے۔ آپ نے اپنے ہر مرید کو یہ تلقین فرمائی کہ خدا کو ہر آن اور ہر سانس شہہ رگ سے قریب دیکھو اور پھر اپنا محاسبہ کرو کہ آج پورے دن میں اس خدا کے احکامات پر کس قدر عمل ہوا جو ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یہی وہ خواجہؒ کی وہ تلقین ہے۔ جس سے معاشرے میں فرد کے اندر سربلندی اور خودداری کا جذبہ ابھرتا ہے۔ شانِ جبروتی، شانِ قہاری اور ربوبیت انسان اس قوتِ فکر کے محاسبہ اور تکرار میں صرف وجودِ باری تعالیٰ ہی میں ہی محسوس کرتا ہے اور اس احساس کے نتیجے میں افراد کے سر صرف اس صداقتِ مطلق کے سامنے تو جھکتے ہیں جو شانِ ربوبیت کی حامل ہے۔ مگر کسی باطل پرست اور کبر و نخوت سے اکڑی ہوئی گردن پھر انسانی معاشرے میں ہرگز نہیں اکڑ سکتی۔ کسی جابر اور قاہر انسان کو معاشرے میں انسانی استخواں پر اپنے اقتدار کی بنیادیں اٹھانے کی جرأت بھی نہ ہوئی۔ حق پرستی کی دھن یوں پختہ ہوتی ہے کہ پھر افراد کے سر پتھروں کے سامنے جھکنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ بزدلی کے جذبات دم توڑ دیتے ہیں۔ شجاعت، غیرت، اولوالعزمی کے جذبات جاگ اٹھتے ہیں۔ خواجہؒ کی اس ایمان افروز تلقین سے جو تاثر ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے اقوالِ زریں پر عمل پیرا ہونے سے معاشرے میں افراد کی بکھری ہوئی شخصیتیں مجتمع ہو جاتی ہیں۔ افراد میں تحقیرِ ذات کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ خوشامدانہ انداز مرجھا جاتے ہیں۔ غلامی افراد کو طوق معلوم ہوتی ہے جو آدمیت کی تذلیل اور انسانیت کی رسوائی ہے۔ عزتِ نفس اور احترامِ ذات ایسی شائستہ اقدار انسانی معاشرے میں ابھرتی ہیں۔

افراد نے جب شریعتِ محمدی کو خواجہؒ کی زندگی میں جاری و ساری پایا۔ تو اس نورِ شریعت کو اپنے عمل میں جذب کر لیا۔ وہ خدا جو انسان پر اس قدر رحیم ہے کہ وہ انسانی شہہ رگ کے قریب اور ہر لمحہ انسان کا محافظ ہے۔ اسی خدا کے احکامات کو ہر فرد نے اپنے دل کی روشنی سمجھنا شروع کیا۔ جو انسانی کردار و عمل میں چمک کر آدمی کو بحیثیت آدمی ہم دوشِ ثریا بنا سکتی ہے۔ خواجہؒ کی نگاہ، نگاہِ مردِ مومن تھی۔ اس نگاہ کی تاثیر نے افراد میں عاملِ دینِ شریعت بننے کا ذوق و شوق پیدا کر دیا۔ وہ ہر آن اللہ کے فرمان پر عمل کرنے میں لذت محسوس کرتے۔ افراد میں نورِ شریعت کی یہ دمک ان کی زندگی کے ہر فعل اور قول میں جونہی اجاگر ہوئی تو معاشرے میں انسانیت کی فطری عظمت خلقِ عظیم کا نمونہ بن گئی۔ یہ نمونہ معاشرت میں اخلاقی اقدار کی حیثیت میں مستحکم ہونے لگا۔ حضرت خواجہؒ نے اپنی اس شبانہ روز کد و کاوش کو نہایت سنجیدگی سے جاری رکھا اس کے نتیجے میں برصغیر کی معاشرت میں اسلام کی روح کے مطابق انقلاب رونما ہونے لگا۔ اخلاقِ محمدیؐ سے مزین کردار معاشرے کا سرمایہ بننے لگے۔

خواجہؒ کی حیاتِ مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ اسکی حقیقی روح کو اپنی تلقین میں افراد کے سامنے ہمیشہ واضح فرمائے تاکہ افراد میں اسلامی معاشرت کو جاندار بنانے کا جذبہ متحرک رہے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد آپ اپنے ہر ساتھی کی طبع پرسی فرماتے اگر کسی کو کوئی مشکل درپیش ہوتی تو فوری طور پر اسکی چارہ سازی فرماتے۔ دامے، درمے، قدمے، سخنے۔ مگر انداز شیریں ہوتا۔ تاکہ وہ احساسِ کمتری میں بھی مبتلا نہ ہو۔ اس عملِ صالح سے اسوقت کی معاشرت میں جو مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ وہ یہ تھے کہ ہر فرد ایک دوسرے سے یہی اخلاق یہی محبت اور ہمدردی سے بھرپور سلوک روا رکھتا۔ اس سلوک سے انسانی معاشرت میں جو سنہری خاکے مرتب ہوئے وہ یہ تھے کہ جہاں معاشرتی ارتقا کی راہیں کشادہ ہوئیں وہاں غلط رسومات خود بخود حرفِ غلط کی طرح مٹتی گئیں۔ نہایت پاکیزہ سماج نے جنم لیا۔ تہذیب میں اسلامی رنگ شانِ بشریت کو اجاگر کرنے لگا۔ انسانی معاشرے میں الحاد کے قدم اکھڑے اور پاکیزہ اسلامی ثقافت نے

انسانیت کی پروقار جبیں پر شائستگی کی افشاں چن دی۔

حضرت خواجہؒ کو ہندوؤں سے بھی پیار تھا۔ اس وجہ سے کہ وہ ملحد سہی لیکن بحیثیت انسان وہ معاشرے کا حصہ رکن ہیں۔ اسلامی معاشرت کا حلقہ وسیع کرنے کی غرض سے آپ نے ان کے اذہان اور قلوب میں نورِ وحدت کی روشنی منتقل فرما دی۔ آپ نے تلوار نہیں اٹھائی لیکن خلقِ عظیم کا مجسم نمونہ بن کر کفر والحاد کی تاریکیوں میں الجھی ہوئی انسانیت کو نورِ صداقت سے بھرپور تجلیات سے مالا مال کر دیا۔

حضرت خواجہؒ نے معاشرتی اصلاح میں اس اصول کو بطورِ خاص اپنایا کہ "اپنا محاسبہ خود کرو" تاکہ یہ حقیقت ہر آن معاشرتی عمل میں پیشِ نظر رہے کہ شرعی احکامات کو روزمرہ کے عمل میں افراد کس حد تک بروئے کار لاتے ہیں؟ معاشرے کو فعال رکھنے کی غرض سے یہ بہترین قدر معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے ہوئے جملہ افراد اسی اصول پر کاربند ہو گئے۔ اس کا خوشگوار یہ سامنے آیا کہ بہت سارے خاندان اسلامی طرزِ معاشرت، اخلاق اور تہذیب کا سرچشمہ بن گئے۔ یہی سرچشمہ برصغیر میں اسلامی معاشرت کی پھیلتی ہوئی حدود میں برق روی سے فیض باریوں کا موجب ثابت ہوئے۔ شمع سے شمع فروزاں ہوتی گئی اور انسانی معاشرے میں اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت کے انقلابی اور اصلاحی نقوش ابھرتے چلے گئے۔

حضرت خواجہ غلام بخش صاحبؒ کی زندگی پر تحقیق سے یہ حقائق ثابت ہو جاتے ہیں کہ تخیلات اور جذبات ارتقاء انہیں شائستگی، سنجیدگی، ولولہ اور طہارتِ غور و فکر، انفرادی محاسبے، تزکیۂ نفس اور مراقبے میں مضمر ہے۔ تصورات اور جذبات کی یہ طہارت سوزِ جگر ہے۔ یہ سوزِ جگر معاشرتی عمل میں حیات نو اور حیاتِ جاوداں ہے۔

ذکرِ الٰہی خواجہؒ کی زندگی میں جلتی ہوئی وہ قندیل ہے۔ جس کی روشنی آج ہمیں انسانی معاشرے میں یہ سبق دیتی ہے کہ گھٹیا جذبات پر قابو ذکرِ حق سے ہی رہتا ہے۔ اسی ذکر سے جذبات اعتدال پر رہتے ہیں۔ پاکیزہ بنتے ہیں۔ گویا ذکر اور پاکیزہ فکر انسانی معاشرے میں دو ایسے پر ہیں جن کے بل بوتے حیاتِ انسانی عقابی اڑانوں سے ہمکنار اور محوِ پرواز ہوتی ہے۔

ذکرِ حق سے انسان کے دل میں ایک شرر دمکتا ہے۔ جس سے صحت مند اور جاندار عمل کی تحریک ابھرتی ہے۔ جس سے انسانی معاشرے اور افراد میں قوتِ عمل کی تحریک ابھرے وہ حق ہے۔ جس سے افسردگی، پژمردگی کے آثار نمایاں ہوں وہ باطل ہے۔ جس سے افراد کے کردار میں لولا کی ضوفگن ہو۔ جس سے افراد کی نگاہ میں کوکبی چمک کے پر شکوہ انداز پیدا ہوں۔ وہ رحمتِ کردگار اور صراطِ مستقیم ہے۔ جس سے افراد کے عمل میں تعطل پیدا ہو یا اعمال تذلزل پذیر ہوں وہ باطل ہے۔ وہ معاشرہ زندگی کے لئے سمِ قاتل ہے۔

خواجہؒ کے جگر میں توحیدِ حق اور اسوۂ ختم الرسلؐ سے عشق کے شعلے کروٹیں بدلتے تھے۔ جس کی وجہ سے انسانی معاشرے میں آپ کی آنکھیں دمکتیں اور اس آب و تاب سے وہ نور پھوٹتا جس کے باعث معاشرتی عمل میں خیر و برکت اور پاکیزگی افراد کو سکون بہم پہنچاتی۔ مجلسی اور معاشرتی زندگی میں آپ کی نگاہ کی ہر جنبش پاکیزہ کردار کے موتی بکھیر دیتی۔ جس نگاہ سے مجلسی زندگی میں فلاح و خیر اور مسلسل عمل کے پیغام ملیں وہ یقیناً حق ہے۔ جس سے معاشرتی سطح پر افراد کے کردار مسخ ہوں وہ ناروا ہے۔ وہ نادرست ہے۔ وہ برائی ہے۔ انہی حقائق سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خواجہؒ کی شخصیت انسانی معاشرے میں صراطِ مستقیم کا نادر نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اقبالؒ جیسے فلسفی اور دانشور نے خواجہؒ جیسے اولیاء و صلحاء پر تحقیق کی تو یہ نعرۂ مستانہ اس مردِ کامل کی گہرائیوں سے بے ساختہ ابھرا۔ ؎

CamScanner

حدیثِ دل کسی درویشِ بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

ہم حضرت خواجہؒ کی زندگی پر جس قدر گہری نگاہ ڈالتے ہیں تو برصغیر میں جملہ علماء، صلحاؒ اور اولیاؒ کے سنہری اور ایمان افروز فکری اور عملی کارنامے سلسلہ وار سامنے آجاتے ہیں۔ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خواجہؒ جیسی شخصیتوں نے برصغیر میں حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل قائم کر دی۔ ملتِ واحدہ کا انسانی معاشرے میں جدا قومی اور تہذیبی تشخص قائم کر دیا۔ وہ ایک ایسا جدا قومی تشخص ہے جس میں طہارت، آدمیت اور انسانیت کا فطری حُسن ہے۔ اس حُسن کو [illegible] فائقیت ہے۔ جو معاشرے کی حدود پر چھا جاتا ہے۔ جس قدر پھیلیں، مسلط رہے گی یہی وہ جدا قومیت کا مضبوط تصور ہے۔ جس کو اقبالؒ جیسے فلسفی نے پوری غور و فکر کے بعد بڑی شدت سے محسوس کیا اور وقت کے نئے تقاضوں کے مطابق پیش کر دیا۔ قائد اعظم کے تدبر اور جاندار شخصیت نے اپنی کوششوں سے اس تصور کو زندہ و جاوید حقیقت کے روپ میں دنیا کے نقشے پر ایک آزاد و خود مختار مملکت کی حیثیت دے دی۔ لیکن یہ صداقت آج بھی جوں کی توں ہے کہ برصغیر کی تاریخ میں بنیادی طور پر خواجہؒ جیسے علماء، اولیا اور قلندروں کے جو عظیم مذہبی، تہذیبی، اصلاحی اور روحانی کارنامے تھے، ان کے ٹھوس نتیجے میں آج ہمیں ایک الگ اور آزاد خود مختار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کا شرف نصیب ہوا۔ خود علامہ اقبالؒ جیسی شخصیت کو بھی یہ اعتراف ہے۔ ؎

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

شبیر رحمانی

منقبت حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ

بݨ تے سوالی آیاں خواجہ تساڈے در تے
خالی ہے میڈی جھولی ولساں ضرور بھر تے

عمراں دا ہاں میں تسّاں سے معرفت دی ڈیوڑھ
آدھن تساں سخی ہو ڈیندو پیالے بھر تے

اگوں غماں دا دریا ٹھاٹھاں کھڑا مریندے
ہیں بسمل وی اوڑک بچنا ہے پار تر تے

منزل ہے کن تے میڈی نئیں راہ جاندا ہیں
لیکن ہیں کر گدا ہے اعتبار راہبر تے

ایہا دعا ہے میڈی ستالا قبول تھیوے
گذرے میڈی حیاتی خواجہؒ تساڈے در تے

توں ہیں ولی خدا دا میں ہاں فقیر بن رہ
گستاخ نہ گنیناواں کیتم سوال ڈر تے

بھالوں غریب ہاں پرانے ہاں گھٹ تلائے نی
شبیر خواجہ سائیں دا سایہ ہے میڈے گھر تے

رشید عثمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دین تے دنیا اولیاء اللہ دی نظر وچ

جناب صدر محترم، مہمانِ خصوصی و حاضرین کرام!

اللہ جل شانہٗ دا لکھ لکھ احسان ہے جو اوں اساکوں انساناں دی جون وچوں پیدا کیتے۔ خالق کل کوں اپنیاں ساریاں مخلوقاں وچوں انسان سب توں ودھ پیاری تے محبوب مخلوق ہے۔ اے صدقہ ہے محبوب کبریا سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ (وسلم) دا جو انسان کوں اللہ سائیں نے ایڈا وڈا شرف عطا کیتے۔ خالق کل دیاں بیاں ساریاں مخلوقاں انسان دی خدمت تے انسان دے فائدے واسطے ہن۔ اے ساری کائنات انسان واسطے بنائی گئی ہے۔ لوح و قلم انسان واسطے بنڑے ہن۔ جنت انسان دے ابدی ارام واسطے ہے۔ دوزخ انسان کو نافرمانیاں دی سزا دا احساس ڈیندی ہے۔ عرش کوں وی انسانیت دے پیشوا دے قدم چمنڑ دی سعادت حاصل ہے۔ فرشتے خدا دی عبادت وی کریندن تے انساناں دے کم وی آندن۔ اللہ سائیں دے احکام پیغمبراں تائیں حضرت جبرائیلؑ نے پچائے ہن۔ میکائیلؑ بادلاں کوں ونڈیندن، عزرائیل اللہ دے حکم نال انساناں دی زندگی دا رشتہ موت نال جوڑیندن۔ کائنات دے ڈوجھے بہوں سارے کم اللہ دے حکم نال فرشتے انجام ڈیندن۔ ہر انسان دا نامہٗ اعمال لکھنڑ واسطے کراماً کاتبین مقرر ہن۔ قبر وچ سوال کرن واسطے منکر نکیر ہن۔

کائنات دی ہر چیز انسان دی غلامی واسطے بنائی گئی ہے۔ سجھ، چندر، تارے، دھپ چھاں، خوبصورت مناظر پانی، مٹی، ہوا، موسماں تے وقتاں دی تبدیلی، انساناں دے آرام تے آسائش واسطے ہے۔ چرند پرند، حیوانات، نباتات تے معدنیات وی انسان دی خدمت تے فائدے واسطے ہن۔ اے جہان انسان دی جدوجہد تے آزمائش دا میدان ہے۔

ایتھاں انسان ناکامیاں دا مقابلہ وی کریندے تے کامیابیاں نال وی ہمکنار تھیندے۔ ایتھاں انسان دی جسمانی توناں تے ذہنی صلاحیتاں کوں ابھرنڑ دا موقع ملدے۔ نویاں نویاں ایجادات سامنے آندیاں ہن۔ اگلا جہان انسان دے دائمی آرام تے پرلطف زندگی واسطے ہے۔ قیامت دا ڈینہہ انساناں دے حساب واسطے بنایا گئے تے ہیں ڈہاڑے اللہ تعالیٰ انساناں کوں اپنا دیدار ڈیسی تے ول ہمیشہ واسطے اوندے جلوے اکھیاں دے سامنڑے رہسن۔ صرف اے نئیں جو اللہ تعالیٰ نے ارضی تے سماوی ہر مخلوق انسان واسطے بنائی ہے بلکہ ایویں لگدے جو اللہ تعالیٰ دا وجود دی اوندی محبوب مخلوق انسان واسطے ہے۔ مگر ایں وجود دے قرب دی لذت کنوں اوہے لوک لطف حاصل کریندن جیڑھے اوندیاں نعمتاں دا شکر ادا کریندن اوندے احکامات دی پابندی کریندن تے اوندے رسولاں دی اطاعت کریندن۔ جنہاں دا مرنڑ جیونڑ سمنڑ، پاہونڑ تے کھاونڑ پیونڑ اوندی رضا دے مطابق ہوندے جنہاں دے دل وچ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دی محبت رچی ہوئی ہے۔ حضور دی سنت جنہاندی زندگی دا سرمایہ ہے اوہے خدا دے قرب دے مستحق ہن۔ سے

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اللہ سائیں کوں انساناں نال محبت ہے تے ساری مخلوقاں انساناں کوں ہی اللہ نال سب توں ڈھیر محبت ہے۔ جیڑھے ویلے کوئی انسان ایں محبت وچ کمال حاصل کر گھندا ہے تاں اوندا مرتبہ فرشتیاں کولوں وی ودھ ویندا ہے۔ جیویں خدا دی ذات کوں بقا حاصل ہے اولویں اوں اپنی مخلوق انسان کوں وی بقا کولوں سرفراز کیتے۔ موت تاں خالق تے مخلوق دے درمیان فراق دے ہک عارضی عرصے دا ناں ہے۔ فنا دا ناں کینی۔ ایں عرصے توں گذرݨ دے بعد انسان ہمیشہ واسطے خالق دا وصال حاصل کر گھنسی۔

اللہ دے نیک بندیاں کوں دنیا وچ وی رب دا وصال حاصل تھی ویندا ہے۔ ایہے اللہ دے دوست ہوندن اللہ سائیں انہاں کوں دوست رکھیندے۔ جنہاں کوں مخلوق دی دوستی کولوں خالق دی دوستی ڈھیر پسند ہوندی ہے۔ مخلوق نال وی جنہاں دی دوستی اللہ واسطے ہوندی ہے۔ انہاں دی نظر وچ اللہ دا دین سب کجھ ہوندا ہے۔ انہاں دی دنیا وی دین دے تابع ہوندی ہے۔ انہاں دے اعتقادات غیر متزلزل، عبادات انتھک تے معاملات پاکیزہ تے مبنی بر انصاف ہوندن۔ اے لوک اللہ دی رضا تے صابر، شاکر ہوندن۔ انہاں دا ہر عمل اللہ سائیں تے احکامات اُتے نبی سائیں دی سنت دے مطابق ہوندے نماز کہیں حالت وچ نئیں چھوڑیندے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے عین سجدے وچ اپݨی جان اللہ دی رہ تے قربان کر ڈتی۔ رمضان دے روزاں تو علاوہ بعض اولیاء نے سالہا سال تائیں مسلسل روزے رکھن، زکواۃ دی ادائیگی وچ کڈھیں تاخیر نئیں کیتی۔ بعض اولیاء اللہ کیتے زکواۃ ڈیوݨ دی نوبت وی نئیں آندی کیوں جو انہاں دے مال دا نصاب پورا نہیں تھیندا ہو کجھ انہاں دے کول ہوندا ہا اللہ دی رہ تے ڈے ڈیندے ہن۔ بعض اولیاء نے ہزارہا میل دا سفر پیدل طے کر تے ہر سال بلا ناغہ حج کیتے۔ نوافل پڑھن دا تاں کوئی شمار کینی۔ بعض اللہ دے پیارے بندیاں نے ساری عمر مستحب دی قضا نہیں کیتے۔ حضرت خواجہ خدا بخش رح دی مثال اساڈے سامݨے ہے۔

اللہ دے دوست اللہ دے دربار وچ نیازمندی نال پیش تھیندن۔ جیڑھے ویلے رب دے حضور وچ ویندن، انہاں کوں جہان دنیا دی خبر نہیں رہندی۔ اساڈے نبی پاک اتنی عبادت کریندے ہن جو پیراں تے سوج آوندی ہی۔ ہک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے پچھیا۔ حضور! تہاکوں تاں اللہ سائیں بخشا ہویا ہے۔ تساں اتنی لمبی عبادت کیوں کریندے ہوسے۔ آپ نے فرمایا۔ عائشہ رضہ! جیں خدا نے میڈے اتے اتنا احسان کیتے ہیں اوندا شکر ادا نہ کراں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیں ویلے نماز دا ارادہ کریندے ہن۔ آپ دے جسم تے لرزہ طاری تھی ویندا ہا۔

اللہ دے دوست ساری عمر حق دی سربلندی واسطے جدوجہد جاری رکھیندن۔ او کہیں اوکھ کہیں تکلیف دی پروا نہیں کریندے۔ بغداد وچ معتزلہ نے غلبہ حاصل کیتا تاں انہاں فیصلہ کیتا جو امام حضرت احمد بن حنبل رح کوں اذیت ڈے تے قرآن مجید دے مخلوق ہوݨ دا فتویٰ حاصل کیتا ونجیں۔ آپ بڈھے تے کمزور ہن۔ آپ دے ڈوہیں ہتھ پچھاں بدھ ڈتے گئے۔ آپ اُتے اتنے کوڑے وسائے گئے جو ہاتھی وی برداشت نہ کر سگے ہا۔ لیکن آپ نے علم تے ضمیر دے خلاف فیصلہ کرݨ توں انکار کر ڈتا۔ حالانکہ انہاں زخماں دی وجہ نال آپ دا انتقال تھی گیا۔

اللہ دے دوستاں نے کفر تے باطل دے خلاف ہمیشہ عملی تے فکری جہاد کیتے۔ اُتے اللہ دے احکام دنیا دے کونے کونے تائیں پچائے ہن۔ انہاں اپنے گھر بار چھوڑن تے اللہ دے دین دی تبلیغ کیتے ہزاراں کوہاں دے پندھ کر تے جا جا تے علم و فضل دے مرکز قائم کیتن۔

بعض اولیأ اللہ اللہ تعالٰی تے اتنا توکل کر گھندے ہن جو انہاں کوں دنیاں دی محتاجی نہیں رہندی۔ ہک دفعہ حضرت ابو حمزہ خراسانی جنگل وچ ٹردے ٹردے ہک اندھے کھوہ وچ ڈھے پئے۔ ترے ڈینہہ بعد کجھ لوک اتھوں لنگھے۔ حضرت خراسانی سوچیا جو میں آواز ڈیندے تے انہاں کوں آکھاں جو میکوں کھوہ وچوں کڈھو۔ دل فوراً خیال آیا جو غیر کنوں مدد منگنی چنگی کینی۔ ایہ تاں اپنے مولا دی شکایت ہے۔ خدا نے میکوں کھوہ وچ سٹے، آپ کڈھیسی۔ اتنی دیر وچ او لوک خود کھوہ تے آ گئے تے ہک ٻئے کوں آکھن لگے۔ ایں کھوہ تے کوئی روک کینی۔ کوئی مسافر ایندے وچ ڈھے پوسی۔ ہو وے تاں ایندے اُتے چھت پا تے ایکوں بند کر ݙیوں۔ انہاں دیاں گالھیں سُݨ تے حضرت خراسانی اپݨی جان کولوں وی نا امید تھی گئے۔ او لوک چھت پا تے چلے گئے۔ آپ نے اللہ سائیں تے بھروسہ کر گدا تے دعائیں منگدے رہے۔ رات تھئی تاں ہک اژدہا نے اوں چھت وچوں سوراخ کر تے پوچھل تلے لٹکایا۔ حضرت خراسانی نے پوچھل پکڑ گدا تے باہر آ گئے۔

حضرت ابراہیم بن احمد خواص فرمیندن جو میں ہک ڈینہہ دعا منگی جو اللہ سائیں آں میکوں ہک چنگا ساتھی عطا کر۔ ایندے بعد حضرت خضر علیہ السلام میڈے کول آئے تے میکوں اپݨا سنگتی بݨاوݨ۔ لیکن میں اللہ سائیں کنوں ڈر گیا جو اوندی ذات دے سوا کہیں ٻے تے بھروسہ نہ کر بہوں۔ متاں خدا اُتے میڈے توکل وچ کمی آ ونڄے۔ ایں واسطے میں حضرت خضر علیہ السلام دی گالھ نہ منی۔

حضرت ابو محمد بن جعفرؒ فرمیندن جو میں حضرت جنیدؒ کول گیم۔ آپ بخار وچ مبتلا ہن۔ میں آکھیا "اے استاد! اللہ سائیں کولوں دعا منگو جو تہاکوں آرام آ ونڄیں"۔ آپ نے فرمایا "میں کل عرض کیتی ہئی" جواب ملے۔ اے جنید! تیڈا بدن اساڈی ملک ہے۔ اساڈی مرضی اساں ایکوں صحت مند رکھوں یا بیمار۔ تو اساڈے تے اساڈی ملک دے معاملات وچ دخل ڈیون والا کون ہیں۔ توں اپݨے بدن تے آپݨا حق جتاوݨ چھوڑ ڈے۔ تاکہ اساڈے بندیاں وچ شمار تھیویں"۔

اللہ دے دوست مال تے دولت دے بکھے نیں ہوندے بلکہ اللہ دی راہ تے پیٹ دی بکھ تے تریہہ دی برداشت کریندن۔ ہک صوفی بزرگ جنگل وچوں کوفے دے شہر وچ آئے۔ کئی ڈینہاں دے بکھے ہن۔ بازار وچ پڄ تے آپ نے ہک چڑی گھن تے ہتھ تے بلھا گدی تے لوکاں کوں آکھݨ شروع کر ڈتا۔ ایں چڑی واسطے میکوں کجھ ڈیوو۔ لوکاں آکھیا توں لے کیا پیا آدھیں۔ خدا واسطے کیوں نہیں منگدا۔ آپ نے فرمایا "ایں دنیا دی حقیر چیز واسطے میں تہاکوں خدا دا واسطہ کیوں ڈیواں۔ ایں حقیر جانور دی سفارش کافی ہے۔

اللہ دے ایہ نیاز مند بندے جیڑھے ویلے ناز کریندن تاں اللہ سائیں وی انہاندے ناز منیندا ہے تے ایں طرح انہاں کولوں کرامات دا ظہور تھیندا ہے۔ ایہ لوک روشن ضمیر ہوندن۔ انہاندی نظر دی رسائی بہوں دور تک ہوندی ہے۔ حجابات انہاں واسطے کوئی حقیقت نیں رکھیندے۔ ایہ لوک دنیاوی نام و نمود تے شہرت کوں کجھ نیں سمجھدے۔ ایہ دنیا تے ایں دنیا دے محل تے دربار انہاں واسطے ہک سراں ہن۔ انہاں کوں مقام تے مرتبے دی کوئی خواہش نیں ہوندی۔ نفس انہاندا مطیع ہوندے۔ ایہ نفس دے غلام نیں ہوندے۔ ایہ کہیں دا حق نئیں مریندے بلکہ خالق دے حق دے نال نال مخلوق دے حق دی وی ادائیگی کریندے ہن۔

اللہ دے دوست اللہ نال دی محبت کریندن تے اللہ دی مخلوق نال وی محبت کریندن۔ کہیں انسان کوں ڈکھا ڈیکھ نیں سہندے۔ کہیں دا دل نیں تروڑیندے۔ انہاں دی عمر انساناں دی دینی تے دنیاوی فلاح تے اصلاح وچ

گذر ویندی ہے۔ ایسے لوکاں کوں سدھا رستہ ڈکھیندن۔

محبوب الٰہی حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ نے جتھاں قرآن، حدیث تے فقہ دا علم لوکاں تائیں پچایا۔ اتھاں انساں دیاں تکلیفاں تے پریشانیاں وِچ وی انہاں دا ساتھ ڈتا۔ ہک عقیدتمند پٹھان سفر تے باہر ونجݨ لگا۔ اوں آکھیا حضرت میں باہر ویندا پیا ہاں۔ مہربانی کرتے کوئی آدمی بھیج تے میڈے گھر سودا منگوا ڈتا کرو۔ او شخص کئی سال بعد گھر آیا۔ کیا ڈیدھا ہے جو حضرت خواجہ صاحبؒ بہ نفسِ نفیس اوندے گھر دے بوہے اُتے لکڑیاں سِر تے چاتی کھڑن۔ اوں آکھیا حضرت اے کیا تساں کیوں ایڈی تکلیف فرمائی ہے، آپ نے فرمایا "میاں تیں آکھیا ہا کوئی بندہ بھیج ڈتا کرو، میں وی تاں بندہ ہاں۔ سبحان اللہ کیا کردار ہا اوں شخصیت دا جیندے علم، فضل تے کمالات دا دنیا وِچ شہرہ ہے۔ ایہو جیہے ہزار ہا واقعات آپ دی برگزیدگی تے حق پرستی دی شہادت ڈیندن۔ آپ اللہ سائیں کوں دعا منگدے ہن جو اے اللہ سائیں! یا تاں دوزخ دی بھا وسما ڈے یا میڈے بدن کوں ایڈا موٹا کر ڈے جو سارا دوزخ میڈے بدن نال بھری ونجیں۔ تاکہ اوندے وِچ کہیں بے انسان کوں نہ سٹیا ونجیں۔

اللہ اللہ اے او لوک ہن جنہاں کوں اللہ دے بندیاں نال وی محبت ہوندی ہے تے انہاں نال اللہ سائیں کوں وی بہوں محبت ہوندی ہے۔

ایہے لوک ہن جیڑھے قیامت والے ڈہاڑے اللہ سائیں دے سامݨے پیش تھیسن تاں انہاں کوں قیامت دا کوئی خوف تے ڈر کیناں ہوسی۔ کیوں جو انہاں ساری عمر اللہ دی بندگی تے اوندی رضا اُتے عمل کرن وِچ گذاری ہوندی ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ

عارف خاکیؔ

کر چا مراد پوری آیا ہاں آس کرتے — وَلساں نہیں تیڈے در توں ایہہ خالی جھولی بھر تے
توں ہیں ولی خدا دا من دیاں پچا چا آساں — آیا ہاں بݨ سوالی خواجہؒ میں تیڈے در تے
خواجہ تیڈا مریداں دل دی اے آرزو ہے — ہݨ آ گیاں تاں وَلساں دیدار تیڈا کر تے
ہر شخص تے ہے خواجہ تیڈی نظر کرم دی — بدبخت تے وی آ گونویں جیویں ہے بخت ور تے
ایویں تاں خواجہؒ تیڈا کنڈا اُمنی ہلایا — اوڑک جھوٹیندے ہوں کوں کھل ہووے جیں شجر تے
میں گھِن کے آیاں خواجہؒ اج دل دا کاسہ خالی — توں ہیں سخی سڈیندا ولساں میں ایکوں بھر تے
توں ہیں خدا دا پیارا رب تیڈا خود حبیبؐ — میڈا ایہو عقیدہ جیندیں وی ہے تے مرتے
جا جا تے ہن بہاراں ہر پاسے نور وسدے — اج عرس ہے کہ رب دی رحمت مینہ ٹھے شہر تے
ہر پاسے چرچے تیڈے ہر پاسے ذکر تیڈا — ہر دی نظر ہے نئیں تے تیڈی نظر ہے ہر تے
خواجہؒ تیڈی نظر دا تھیوے جے ہک اشارہ — ہے بھاویں بحر غم دا پر میں ڈکھیساں تر تے
خاکیؔ دے سر تے خواجہؒ کر چا کرم دا سایہ — اج دھپ ہے غم دی ڈاڈھی بیٹھے جیٹے پدھر تے

محمد افضل نظامی پیرزادہ

حضرت خواجہ خدا بخشؒ بحیثیت عالمِ دین

علم کے معنی علماءِ لغت کے نزدیک دانش، دانائی، واقفیت اور آگاہی قرار دیئے گئے ہیں۔ گویا عالم وہ ہوتا ہے۔ جو دانشور، دانا، واقف اور آگاہ ہو۔ دانش، دانائی، واقفیت، آگاہی کیسی؟ کن حقائق سے اور کن بنیادوں پر؟

خارج میں یہ وسیع و عریض کائنات ہمارے سامنے ہے۔ یہ کائنات آرائش و زیبائش سے مزین، بوقلموں حقائق اور اجسام و اشکال سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ جس میں ہزارہا قدرت کے اسرار و رموز مخفی ہیں۔ کائنات کے ان اجسام و اشکال کو قدرت کی طرف سے فاعلیت کی قوت اور صلاحیت سے محروم رکھا گیا ہے مگر انسان کو دانش، تدبّر اور قوتِ عمل سے نوازا گیا۔ بحیثیت مدبّر اور دانشور صرف انسان ہی اس لائق گردانا گیا کہ وہ ان اجسام و اشکال پر مشتمل کائنات اور اس میں مستور رازہائے قدرت سے واقف و آگاہ ہو سکے۔ انسان اپنی اس بنیادی فطرت کے باعث افضل و برتر بھی قرار پایا۔

خالقِ کائنات سے انسان کو یہ افضلیت کا شرف شروع میں ہی یوں ودیعت ہوا کہ ابو آدم ہی اس کائنات میں منصب رسالت پر فائز ہوئے۔ صفاتِ باری کا نور گویا تخلیقِ آدم اور تبلیغِ رسالت انسانِ اول کی پیشانی سے عکس ریز ہو کر جہاں تاب ہوا تاکہ اولادِ آدم ان مقدس صفات کو اپنی زندگی میں مشعلِ راہ قرار دیکر اپنے کردار اور عمل کو سنوار سکے۔ ایسا بھی ہوا کہ انسان نے ذاتِ مقدس کا عرفان ہر دور میں حاصل کرتے ہوئے اپنے اپنے وقت کے نبی کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی میں جذب کیا۔ بشریت اور علم و آگاہی کی فقید المثال اقدار اور خلق کے بے مثال نمونے قائم کیے۔ مگر بایں ہمہ اولادِ آدم نے باطل پرستی میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ یہاں تک کہ پیغمبروں پر بھی ظلم ڈھائے اور باطل پرستی کے بھی وہ نقوش صفحۂ ہستی پر رقم کیے کہ جنہیں دیکھ کر خود اولادِ آدم کی جبیں عرق عرق ہو کر رہ گئی اور اسکی عقل و دانش بھی چیخ اٹھی۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان نے اپنے علم کی بنیاد حواسِ خمسہ پر استوار کی۔ چونکہ ان حواس کا تعلق اساسی طور پر صرف پیکرِ محسوس پر ہی منحصر رہا اس وجہ سے انسان کی غور و فکر کا مطمحِ اوّل یہ کائنات ہی تصور کی گئی۔ انسان نے اپنی فکری کد و کاوش کے نتیجے میں اس کائنات کو بھی مادی فطرت کی تخلیق اور پیداوار کہہ دیا۔ انسان خود بھی وجودی طور پر مادی کائنات کا حصہ ہے۔ لہٰذا وہ اپنی حقیقت کو بھی صرف ایک مادی حقیقت سمجھ بیٹھا۔ اس کی روحانی حقیقت اس فکری الجھاؤ کا شکار ہو گئی اور وہ یوں اپنی خودی کو نہ پہچان سکا۔ گویا انسان دانشور تو بنا مگر اس دانش کی بنیادی کمزوری کے باعث جہاں وہ اپنی خودی سے بے خبر ہوا وہاں وہ وجودِ خالق اور ذاتِ مقدس کے انتہائی ظہور کا بے پناہ اور ہمہ گیر تابانیوں میں یوں گم ہوا کہ اس کی آنکھیں مندھا گئیں اور وہ وجودِ حق کا ادراک بھی حاصل نہ کر سکا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اہرمن و یزداں کے تضادات ابھرے۔ توحید باطل کی آویزش کا آغاز ہوا۔ اور انسان ان تضادات میں الجھا۔ علم و آگاہی کی بنیادی کمزوری رنگ لائی اور انسانی معاشرے میں تہذیبی، مذہبی، ثقافتی اور سماجی خاکے غلط زاویوں پر بنتے گئے اور انسان ان میں الجھتا گیا۔

خدا رحیم ہے۔ اس رحیم و کریم ذات نے جب اپنی مخلوق کو ان تضادات میں سرگرداں پایا تو ہر زمانے میں ہو ہر ایسے

مسلسل موثر پیرائے بذریعہ انبیائے علیہ الصلوٰۃ والسلام نورِ حقیقت کی روشنی عطا فرمائی۔ لیکن پھر بھی یہ گم کردہ راہ مسافر شیطانی وسوسوں میں بزعمِ خویش الجھا اور یہ الجھاؤ ایک پردے کی صورت میں میانِ خالق و مخلوق حائل ہی رہا۔ ماورائے حقیقتِ اُولیٰ اور الوہی صداقتیں انسانی ذہن میں اجاگر نہ ہو سکیں۔ ازل سے رواں وقت کی یہ لہریں آخر کار اس منزل پر آ پہنچیں جہاں آقائے کل فخرِ رسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا وہ ختم الانبیاءؐ ہیں۔ ربِ ذوالجلال نے انسان کو اس مسلسل لغزیدہ خرامی سے تھامتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے دینِ حق کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کی صورت میں بنی نوعِ انسان تک پہنچا دیا اور اس طرح ذاتِ رسالت مآبؐ کا ظہور کون و مکان کی تخلیق کا حرفِ آخر ہی نہیں بلکہ منتہائے مقصود بھی بنا۔ اس مکمل و اکمل دین نے پھر انسان کے علم و آگاہی میں واضح کیا کہ خدا ایک ہے۔ فرش سے عرش تک کی جملہ خوبیاں خالقِ کائنات کی صفات میں شامل ہیں۔ ان خوبیوں اور صفات کا ظہور مرحلہ وار درجہ بدرجہ منشائے ایزدی کے مطابق ہوا۔ یہ کائنات یونہی نہیں بلکہ خدائے واحد کی کاری گری اور قوتِ تخلیق کا بہترین شاہکار ہے۔

یہ دین درحقیقت علم و آگاہی کا وہ نور ہے جو خدا کی الوہی اور ارفع و اعلیٰ صفتِ علم سے پھوٹا۔ آقائے دوجہاں اور ختم الرسلؐ کی ذاتِ گرامی میں چمکا اور علمائے ربانی کی پیشانی اور قلوب اس سے منور ہوئے۔ علمِ حق کی یہی وہ روشنی ہے جو اس کائنات کے ہر دور میں عموماً اور موجودہ مادی ترقی کی اس ریل پیل میں خصوصاً باطل پرست، مادیین اور حق شناس دانشوروں کے درمیان حدِ فاصل قرار پائی اور علمائے حق کو وارثِ انبیاءؐ کا بلند ترین منصب عطا ہوا۔

حضرت خواجہ خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ ان علمائے ربانی اور مرشدانِ دینِ حق کی صف میں ایک ایسی سنہری شخصیت کے حامل تھے جو اولادِ آدم میں باعثِ فخر تصور کی جاتی ہے۔ آپ نے صغیر سنی میں ہی تقریباً اپنی تعلیم مکمل کر لی۔ آپ نہ صرف حافظِ قرآن تھے بلکہ بخاری شریف بھی آپ کو ازبر تھی۔ علمِ بیان، علمِ فقہ، صرف و نحو اور علومِ عقلیہ پر آپ کو کماحقہٗ عبور حاصل تھا۔ آپ نے دین کا مطالعہ بھی ایک دانشور اور مدبر کی حیثیت سے کیا۔ آپ نے دینِ حق کو دلائل و براہین کی کسوٹی پر جب پرکھا تو ایک عالمِ دین کی غور و فکر کے سلجھے ہوئے پیمانے نکھرے۔ آپ نے اس تبکدۂ صفات میں ذات اور صفات کے خطوط واضح فرمائے۔ مادی اور روحانی اقدار کو بھی تسلیم کیا۔ لیکن ان اقدار کو اپنی اپنی حدود کے دائرے میں ایک واضح خطِ امتیاز سے نمایاں فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ ذاتِ واحد ہے مگر اس ذاتِ واحد کی صفات کا ظہور اس خوبصورت کائنات میں بتعین اجسام و اشکال ہوا۔ آپ نے دلائل سے اس حقیقت کو ثابت کیا۔ اس حقیقت کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے کوئی ماہرِ فن کسی کی عکسی تصویر بنائے اور یہ تصویر اپنی اصل کی صفات کا کماحقہٗ اور من و عن مظہر تو قرار پاتی ہے مگر یہ اپنی اصلی وجودی حقیقت کا عین ثابت نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح ذاتِ واحد کا پرتو بھی اس کائنات میں ہر سو موجود ہے۔ گویا ذاتِ مقدس بہ لحاظ صفات عینِ کائنات ہے اور من حیثیت الوجود ہر چیز پر شاہد و قادر ہے۔ مخلوق اپنے خالق پر حاوی نہیں ہو سکتی۔ البتہ ذاتِ خالق اپنی مخلوق پر حاوی ہے۔ یہ کائنات اپنی جن وجودی صداقتوں پر اجسام و اشکال اور رنگ و ہیئت سے وابستہ ہے وہ ایک فانی اور عارضی وجود کی حامل ہے۔ جس کا وجود جس کا قیام جبکہ بقا جس کا ارتقا ایک باقاعدہ ترتیب کے مطابق ارادۂ وجودِ حق پر منحصر ہے۔ ازل سے ابد تک اس کا انحصار مرضیِ حق پر رہے گا۔ ازل سے پہلے بھی یہ کائنات علمِ یزداں میں موجود تھی۔ اس انداز میں جیسے ہم معمّا کے لفظ سے [illegible] ہیں گویا اس دیا [illegible] کی طرح جو ماضی، حال اور مستقبل کے دائرے سے آزاد ہو جس سے عالمِ منتظرہ کی کیفیت [illegible] ہو سکے جس ابتدا اور انتہا کا تصور نہ ابھر سکے۔ بلندی میں پستی اور پستی میں بلندی ضم ہو۔ تقدم و تاخر اور زمان و مکان کی حدود و قیود ایک مرکزی نقطے پر حاضر و موجود کیفیت میں منجمد ہوں۔ جونہی اذنِ ربی ہوا اس کائنات کا وجود علمِ باری کے احاطہ سے عالمِ شہادت

میں ظہور پذیر ہوتے ہی مظہرِ صفاتِ حق قرار پایا۔ تقدم و تاخر، ابتدا اور انتہا، ماضی، حال اور مستقبل کے پیمانے باعتبارِ ظہور بے معنی ہو گئے۔ ظواہر میں ذاتِ حق کے ظہور کی تابانیاں اپنے نقطۂ عروج پر یوں حاوی ہوگئیں کہ اس نورانی برسات میں فرش سے عرش تک کے جملہ موجودات مانندِ تجلی ہیں۔

یہی نورِ ذاتِ واحد بتعیّن وجودِ ختم الرسلؐ اولادِ آدم کی زندگی میں بھی چمکا اور ذاتِ ختم الرسلؐ اس کائنات میں وہ ذات قرار پائی جو تا قیامت صفاتِ ذاتِ حق کا مقدس نور دینِ حق کی قندیل کی صورت میں باطل کی طاغوتی طاقتوں کے سامنے تابندہ و درخشندہ رکھے گی۔

چہ خوش است درسِ قرآں ز تو دلبراں شنیدن
بہ رخت نظارہ کردن سخن از خدا شنیدن

حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ نے علم و عمل کے سنگم پر اپنی زندگی کو یوں متوازن بنایا کہ جو آپؒ کا قول تھا وہی فعل بنا۔ جہاں آپ ایک عالمِ ربانی کی حیثیت سے انسانی معاشرے میں توحیدِ ذاتِ حق اور دینِ محمدیؐ کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا عظیم مقصد بنایا اور چالیس برس تک درسِ حدیث دیتے رہے وہاں آپ نے شرعی احکامات کو یقینی عامل کیساتھ اپنی زندگی میں جذب کر لیا۔ اتباعِ سنت میں اس قدر ثابت قدم ہوئے کہ تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی اسوہ ذاتِ رسالت مآبؐ کا نمونہ دیکھنا چاہے تو وہ حضرت خواجہؒ کی زیارت سے مشرف ہو۔ کیونکہ آپ خلقِ محمدیؐ کا ہوبہو نمونہ تھے۔

آپ نے کلامِ باری اور حدیثِ نبوی کا مطالعہ اس قدر انہماک اور گہری نظر سے فرمایا کہ اس کلامِ مقدس کے ایک ایک حرف میں مخفی اسرار و رموز آپ کے علم میں منکشف ہو کر رہ گئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے جہاں کلامِ باری کو حیاتِ انسانی کے لئے اس کائنات میں اعلٰی ترین ضابطۂ حیات قرار دیتے ہوئے بحیثیت عالمِ دین یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اس ضابطے کو اپنائے بغیر اس انسانی معاشرے میں انسان فلاح و خیر اور ترقی و عروج پا ہی نہیں سکتا۔ جو انسان کا بنیادی حق ہے اور وہ اپنی شانِ بشریت کا صحیح مظہر بھی گردانا نہیں جا سکتا۔ گویا صرف دینِ حق ہی انسان کو انسانیت سے اور آدمی کو آدمیت سے آراستہ و پیراستہ کر سکتا ہے۔ جب انسان ضابطۂ دین شریعت کو اپنے عمل میں سمو کر انسانی معاشرے میں بہترین انسان اور صحیح معنوں میں آدمی بن جاتا ہے تو پھر جوہرِ بشریت نکھر کر انسانی زندگی میں پائیدار حقیقت بن جاتا ہے۔ ایسی پائیدار حقیقت جو مٹ نہیں سکتی اور بشریت میں یہی وہ مقام ہے جہاں انسانی روح اس کائنات میں اصل دائم و قائم ذات کا عرفان بھی حاصل کر لیتی ہے۔ جب یہ عرفان حاصل ہو جائے پھر بشریت میں یہ تجلی ہوئی شمعِ انسانی معاشرے کی فلاح و خیر کیطرف راہ نمائی کرتی ہے۔ اس کائنات میں مادے کی حیثیت انسان کے لئے دنیاوی کاروبار میں بہت اہم سہی لیکن انسانی رتبے کے اعتبار سے اس کی حقیقت عرضِ استفادہ ہے کہ اسے انسان کے ہاتھ کی میل تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس طرز کی میل جو انسان کے مادی وجود کیطرح بہ ارادۂ ذاتِ مقدس فنا ہو جاتی ہے۔ لیکن جوہرِ انسانیت چونکہ صفاتِ ذاتِ مقدس سے متصف ہے۔ اس وجہ سے وہ فنا نہیں ہو سکتا۔

حضرت خواجہؒ نے اپنی زندگی کو قرآن مجید کے ایک ایک حرف سے ہم آہنگ بنا لیا تھا۔ اس وجہ سے آپ کی روح کلامِ باری کی مقدس روشنی میں یوں سنور اور نکھر چکی تھی کہ آپ نے اپنے روحانی تصرف سے امتِ مسلمہ کی راہ نمائی کی غرض سے کلامِ باری میں مخفی خیر و برکت کی معجزانہ تاثیر کو بھی برملا ثابت کر دکھایا تاکہ مادہ پرست انسان جو پیکرِ محسوس کو ہی علم کی حتمی بنیاد تصور کرتا ہے۔ وہ عقل سے ماورا صداقتوں کو محسوس کرتے ہوئے اس پر اپنے یقین کو استوار کر سکے۔ نیز اس،

CamScanner

کائنات میں اپنی جوہری اور نوری حیثیت کو اپنی اپنی حدود میں صحیح سمجھ کر وجودِ ذاتِ مقدس کا سچا پرستار بن جائے۔ اس وجہ سے آپ نے ایک ضیافت میں اپنے میزبان سے تکلفات کے بارے میں یہ استفسار کیا کہ جو اس ضیافت پر مصرف ہوا ہے وہ کیسے جمع کیا گیا ہے میزبان کیطرف سے یہ وضاحت سامنے آئی کہ وہ سورۃ مزمل کا ایک وظیفہ کیا کرتا ہے جس کی برکت سے اسے اتنی رقم مل جاتی ہے جو ایسے مصارف کیلئے مکتفی ہو۔ آپ کی فرمائش پر اس نے شمع جلائی اور اسکی لو پر وہی وظیفہ پڑھا۔ نتیجے میں شمع کی لو سے ایک اشرفی ٹوٹ کر گری۔ جونہی آپ نے یہ منظر دیکھا حالتِ جذب میں سرو قد ہوگئے اور بسم اللہ شمع کی لو پر حرفاً پڑھی، ہر حرف کی تلاوت پر ایک ایک اشرفی ٹوٹ کر گری اور آپ نے یہ وضاحت فرمائی کہ صرف سورۃ مزمل کی بات نہیں بلکہ کلامِ الٰہی کا ہر حرف خیر و برکت کے یہ خزانے اپنے میں مجتمع کئے ہوئے ہے۔

اسی طرح آپ نے ایک دوسرے موقع پر جبکہ ایک کیمیا گر نے آپ کو ایک نسخۂ کیمیا کی پیشکش کی تو آپ نے اسکے سامنے اپنے ہاتھ مبارک دھو ڈالے۔ ہاتھوں اتری ہوئی میل زمین پر سونا بن کر جم گئی۔ اس عمل کا مقصد یہ تھا کہ امتِ مسلمہ جہاں سونے کو کاروباری لحاظ سے بہت ہی اہم سمجھتی ہے وہ اپنی حد میں ضرور گرانقدر سہی مگر ایک دولتِ گراں بہا خود جوہرِ انسانیت ہے۔ جو صرف عاملِ شریعت ہونے پر ہی حاصل ہوتا ہے اور اسی جوہر کی بدولت انسان دنیا و آخرت میں سرخ رو اور کامیاب ہو سکتا ہے۔ لہذا انسان اس چمکدار مادی کھنک میں یوں گم نہ ہو جائے کہ وہ اپنا حقیقی جوہرِ انسانیت بھی نہ پا سکے۔

علم و عمل میں آپ نے نام و نمود کی ہرگز خواہش نہیں فرمائی۔ جہاں بھی آپ نے اپنے علمی اور روحانی مرتبے کو اجاگر کیا۔ تو اسکی نیت یہ تھی کہ امتِ مسلمہ کی صحیح راہنمائی کی جا سکے۔ تاکہ انسان صحیح حقائق کو سمجھنے کے اہل ہو اور اپنے حقیقی جوہرِ بشریت کو پا کر دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران بن سکے۔

آپ چونکہ مکمل طور پر عاملِ سنت بھی تھے اور عالمِ دین ہونے کے باعث وارثِ انبیاؑ کا مرتبہ بھی آپ کو حاصل ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے آپ نے اپنی ذمہ داری کو ہمیشہ محسوس کیا اور ہر وقت امتِ مسلمہ کی راہنمائی کا پر خلوص انداز میں حق ادا کیا۔ آپ جب بھی تبلیغِ دینِ حق فرماتے تو آپ کی طبیعت میں گداز پیدا ہو جاتا اور اس سوز و گداز میں یہ دعا فرماتے کہ اے ربِ ذوالجلال! یا تو پوری امتِ مسلمہ کو راہِ مستقیم عطا فرما کر سرخ روئی بخش یا پھر میرے جسم کو اسقدر فربہ کر دے کہ میں اکیلا ہی دوزخ میں سما جاؤں لیکن میرے نبی کی امت بہر حال سرخ رو ہو۔

بہر کیف ان مختصر حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ صحیح معنوں میں ایک ایسے عاملِ دین اور عاملِ شریعت تھے کہ بجا طور پر انسانیت رہتی دنیا تک آپ کی سنہری شخصیت پر اپنا سر فخر سے بلند رکھے گی۔

آپ نے ۱۲۵۰ھ میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔ آج تک آپکا یہ مزار سرزمین خیرپور پر مصدرِ انوار ہے۔

جوہرِ انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

جاوید پیرزادہ

خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت اور عشقِ رسول

حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت سلسلہ چشتیہ کے برگزیدہ ولی اللہ تھے۔ جب ہم خواجہ صاحبؒ کو ولی اللہ مانتے ہیں۔ اور اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی عمر عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں گذار دی تو ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ آپ فی الواقعی عاشقِ رسول بھی تھے۔ ؎

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

کوئی بھی شخص اس وقت تک عشقِ مصطفےٰ کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ پوری طرح اپنے آپ کو اتباعِ رسول میں کامل نہ بنا لے۔ جب تک وہ غیر اللہ کا تصور ذہن سے نہ نکال دے جب اپنے آپ کو عشقِ مصطفےٰ میں نہ غرق کر دے۔ گویا اتباعِ رسول اور شریعت مطہرہ کی پابندی کا دوسرا نام عشقِ مصطفےٰ ہے۔ ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت نے اطاعتِ رسول میں جو مقام حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب حضرت قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے ایسے مردِ کامل کی تلاش شروع ہوئی۔ جس نے کبھی سنت قضا نہ کی ہو علماء و فقہا اور صلحاء کے بڑے اجتماع میں سے یہ سعادت حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت کو نصیب ہوئی اور آپ نے یہ کہہ کر اپنے پیر و مرشد کی نمازِ جنازہ پڑھائی کہ اس فقیر نے کبھی مستحب بھی قضا نہیں کیا۔ اللہ اللہ جس شخص نے عبادت و ریاضت میں اتنا کمال حاصل کیا ہو۔ اسے عاشقِ مصطفےٰ کہنے میں کیا باک ہو سکتا ہے ؎

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ غلامانِ محمدؐ کو اللہ تعالیٰ ایسا مرتبہ اور مقام عطا فرما دیتا ہے کہ وہ بحر و بر بھی حکمرانی کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دریائے نیل معمول کے خلاف چلنے سے رک گیا۔ کیونکہ زمانۂ جہالت میں جب تک ہر سال ایک لونڈی آراستہ و پیراستہ اس میں نہ ڈالی جاتی اس وقت تک وہ جاری نہ ہوتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے مردِ موحد نے ایک کاغذ پر لکھا "اے دریا اگر تو خود بخود کھڑا ہوا ہے تو جاری نہ ہو لیکن اگر تو خدا کے حکم سے کھڑا ہوا ہے تو چل پڑ"۔ جب رقعہ دریائے نیل میں ڈالا گیا تو پانی چل پڑا۔ یہ بحر و بر پر حکمرانی نہیں تو اور کیا ہے۔

اسطرح عاشقِ رسول اور غلامِ عمر فاروق حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت کو بھی حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف

سے وہ مقام حاصل ہوا کہ بہ طفیلِ عشقِ مصطفےٰ بحر و بر ان کے گوشۂ دامان میں سمٹ کر آ گیا۔ "گلشنِ ابرار" میں ایک روایت ہے کہ خیرپور کے قریب قصبہ دُرپور کو دریائے ستلج کی طغیانی نے آگھیرا۔ لوگ پریشان خواجہ صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ آپ دُرپور تشریف لے گئے اور دریا کے کنارے اپنی چادر ڈال لی۔ ٹھاٹھیں مارتی موجیں وہیں رگ گئیں۔ اور پھر کبھی دریا کی طغیانی نے اسطرف کا رخ نہ کیا۔

یہ عشقِ مصطفےٰ ہی کا اعجاز تو تھا کہ حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت کے دامان میں بحر و بر میں سمٹ کر آ گئے فی الحقیقت جس کا دل عشقِ نبی کا گنجینہ بن جائے وہ سب کچھ پا لیتا ہے اور یہی وہ سب سے بڑی پونجی ہے اور اس کے سامنے دولتِ کونین کی کوئی ہستی نہیں رہتی۔ مگر یہ سعادت اور نعمت ہر کسی کو تو نصیب نہیں ہوتی یہ اللہ تعالیٰ کا فیضانِ خاص تھا کہ حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت اس نعمت سے سرفراز کیے گئے۔

این سعادت بازورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عشقِ رسول کی چنگاری جب تک سینے میں سلگتی رہے انسان کائنات پر حکمرانی کرتا ہے۔ مگر جب وہ دولتِ عشق سے محروم ہو جائے تو خاکستر کے ایک ڈھیر کی مانند رہ جاتا ہے۔

حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت کبھی اس راہ پر نہ چلے جو خلافِ پیغمبر ہو۔ بلکہ آپ خلقِ محمدیؐ کا مکمل نمونہ تھے۔ اگر آپ سے دامانِ مصطفےٰ ذرہ بھی چھوٹ جاتا تو آپ کبھی اس مرتبہ و منزلت کو نہ پہنچ سکتے تھے۔

خلافِ پیغمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

حضرت محمد اکرمؐ کہروری فرماتے ہیں کہ جس نے اخلاقِ محمدیؐ کا ہو بہو نمونہ دیکھنا ہو وہ حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمت کی زیارت کر لے آپ خلقِ محمدیؐ کا صحیح نمونہ تھے۔

مر گئے تو زمانے نے بہت دیا کیا

آپ کو اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائے ایک صدی سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ مگر آپ کی یاد آج بھی دلوں میں آباد ہے اور رہتی دنیا تک رہے گی۔ آپ کو شہرتِ دوام محض اس لئے حاصل ہوئی کہ آپ نے اپنی زندگی کی ایک ایک گھڑی اطاعتِ رسول میں گذاری۔

عبدالشکور پیرزادہ

حضرت خواجہ خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ اور انکی کرامات

کرامت مروجہ اصطلاح میں ایک ایسے عمل کو کہتے ہیں۔ جو کسی عام آدمی کی حدِّ اختیار میں نہ ہو اور یہ عمل بظاہر عقلی دلائل کی روشنی میں بھی ناقابلِ یقین معلوم ہو۔ لیکن حقیقتاً انسان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایسے عمل کا صدور عظیم انسانوں سے ہوا۔ کرامت اگر کسی ایسی عظیم شخصیت سے صادر ہو جو توحید و رسالت پر کامل یقین رکھتی ہے اور ایسی شخصیت نے شریعتِ محمدؐ کو اپنی زندگی کی مشعلِ راہ قرار دے کر اس مشعل کی روشنی میں اپنے فعل کو وقف کر دیا ہو تو اسے کرامت تسلیم کیا جا سکتا ہے اگر اس قسم کا عمل کسی ایسے انسان سے سرزد ہوتا ہے جو شرعی حدود و قیود کا پابند نہیں اور وہ توحید و رسالت پر بھی ایمان نہیں رکھتا تو ایسے انسان کے ایسے عمل کو کرامت نہیں بلکہ شعبدہ قرار دیا جائے گا۔

کرامت کا صدور عظیم انسانوں سے ظہور میں آتا ہے۔ وہ درحقیقت صلحاء، علماء اور اولیاء کے درمیان مدارج کی تخصیص اور تعین بھی نہیں کرتا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر کسی عالمِ شریعت اور صاحبِ طریقہ سے کرامت کا ظہور نہ ہو تو اس کی انفرادی اور ذاتی حیثیت بطور صالح، عالمِ دین اور ولی اللہ کے تسلیم بھی نہ کی جا سکے۔

حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت چونکہ ہمہ صفت موصوف تھی۔ آپ عالمِ دین بھی تھے، صاحبِ طریقت بھی۔ آپ ایک بہترین محدث، اعلیٰ ترین فقیہہ اور فقید المثال دانشور بھی تھے۔ آپ نے خدا کو واحد مانا، خدا کے وجود دائم و قائم اور ہمہ وقت حاضر و موجود تسلیم کیا۔ نورِ وحدت کی اس چکا چوند کو اس کائنات میں ہر سو درخشندہ و تابندہ پایا۔ سب انبیاء علیہ الصلوات والسلام کو اس نورِ وحدت کا مظہر قرار دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آخری نبی سمجھتے ہوئے اپنے وجود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ضم کر دیا۔ آپ کے اسوۂ حسنہ کو انسانی زندگی کا عظیم تر سرمایہ سمجھا۔ آپ کے ہر قول اور ہر فعل کو انسانیت کیلئے اتنا عظیم قرار دیا کہ اس فعل اور عمل کو اپنائے بغیر انسان ابد تک ترقی و عروج سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ آپ نے اپنی زندگی کو علم، حلم، ضبط، تدبر، دانش، سلوک معرفت اور طریقت کی منزلوں سے گذارتے ہوئے ولایت کے اس مقام پر پہنچایا۔ جہاں سے نبیوں کے بعد انسانی معاشرے میں فلاح و خیر کی مرکزی اور محوری روشنی پھوٹتی ہے۔ لہٰذا آپ نے جب بھی اپنی دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کیا کہ اصلاح احوال ضروری ہے تو فوراً آپ سے کرامت صادر ہوتی۔ بالکل ایسے انداز سے جیسے پیران پیر رحمتہ اللہ علیہ کرامات صادر ہو جاتی تھیں۔ پیران پیر رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی اجتماع میں تقریر فرما رہے تھے کہ دورانِ خطابت ایک محوِ پرواز چیل ممبر سے کچھ فاصلے پر [illegible] وجہ سے اُکو گری اور پھر دوبارہ اڑنے ہی والی تھی کہ آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ چیل خطابت میں دخل انداز ہوئی ہے جس کے باعث آپ کے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ آپ نے بے ساختہ فرمایا کہ اے ہوا اس چیل کی گردن اور جسم کو جدا کر دے۔ جونہی ارشاد ہوا۔ اسی وقت چیل کی گردن اس کے جسم سے جدا ہو کر دور جا پڑی۔ آپ نے یہ منظر دیکھتے ہی پھر یہ محسوس کیا کہ اس چیل کا کیا قصور تھا۔ کہ جس کی اسے یہ سزا ملی۔ آپ یہ محسوس کرتے ہی فوراً اٹھے اور چیل کے

سر کو اس کے جسم کے ساتھ ملایا اور اسے ہوا میں چھوڑ دیا۔ چیل ہوا میں چھوٹتے ہی بصحیح وسلامت محوِ پرواز ہو گئی۔
پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل کو بلاشبہ کرامت کا درجہ حاصل ہے۔ کیونکہ یہ جس شخصیت سے صادر ہوئی ہے اس شخصیت کو بھی ایک ولیِ کامل کی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ جونہی حالتِ جذب میں آتے تھے، آپ سے کرامت کا صدور ہو جاتا تھا۔ چونکہ آپ کو ملتِ واحدہ سے محبت تھی اس وجہ سے آپ سے کرامت کا صدور جب بھی ہوا اس میں انسانی فلاح و خیر کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ اس سرزمینِ خیرپور پر ہی تشریف رکھتے تھے کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خدمت میں بطور تحفہ کچھ تربوز بھجوائے یہ تربوز لانے والا آپ کی خدمت میں حاضر بھی ہوا۔ لیکن اس آدمی نے کچھ تربوز راستے میں کسی ٹیلے کے اندر چھپا دیئے تاکہ وہ واپسی پر انہیں اپنے بچوں کے لئے گھر لے جائے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو کہ وہ تربوز جو راستے میں چھپائے گئے ہیں وہ جنگلی جانوروں کی زد میں ہیں۔ تو آپ نے چھڑی لے کر اپنے مصلے پر بیٹھے ہوئے اِدھر اُدھر گھمانا شروع کر دی۔ جونہی وہ آدمی جو تربوز لے کر آیا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے نہایت نرم انداز میں فرمایا۔ یہ تربوز تو میں نے رکھ لئے ہیں۔ لیکن آپ فوراً واپس جائیں۔ اور وہ راستے چھپے ہوئے تربوز اپنے گھر لے جائیں تاکہ آپ کے بچوں کے کام آسکیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرامت کا یہ صدور ایک ایسے موقع پر ہوا کہ جب ایک شخص بددیانتی کا مرتکب ہو چکا تھا۔ جو انسانی معاشرے میں ایک بدترین فعل ہے۔ آپ نے انتہائی مؤثر انداز میں اپنی اس کرامت کے اظہار سے ایک بددیانت انسان کی اصلاح فرمائی۔

ایک دوسرے موقع پر جونہی آپ کو یہ کشف ہوا کہ آپ کا ایک عقیدتمند انتہائی پریشانی سے دوچار ہے۔ اس وجہ سے کہ اس کے گھر کو اچانک آگ لگ گئی ہے تو آپ فوراً ہی اپنے خدمت گار سے کہا کہ سامنے رکھے ہوئے پانی کے گھڑے فوراً اوندھے کر دیئے جائیں۔ اگرچہ بظاہر یہ بات واضح نہیں تھی کہ حضرت کا یہ فرمان کس بنیادوں پر ظاہر ہوا۔ اس وجہ سے خادم حیران ہوا۔ لیکن تعمیلِ حکم کرتے ہی پانی سے لبریز گھڑے اوندھے کر دیئے۔ کچھ دنوں بعد جب وہ عقیدتمند آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بپتا سنائی تو خادم پر حضرت خواجہ کے فرمان کا مطلب واضح ہوا کہ آپ نے ایک مصیبت میں الجھے ہوئے عقیدتمند کی امداد فرمائی۔

بہرحال نگاہِ مردِ مومن سے تو تقدیریں بدل جایا کرتی ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو، عامل شریعت ہو، شریعت اس کے کردار و عمل کا ایک جزوِ لاینفک قرار پائے۔ شریعتِ محمدی ہی وہ روشنی ہے جو انسانی کردار و عمل میں چمک کر اسے چمکتا و دمکتا ہوا کندن بنا دیتی ہے اور وہ صحیح معنوں میں انسان بن کر انسانی زندگی میں مشعلِ ہدایت قرار پاتا ہے خواجہ رحمت اللہ علیہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا کہ جو انسانیت کی سطح پر بہت ہی اونچا مقام ہے۔ آپ اتنے عظیم کردار کے حامل تھے جو علم و عرفان اور کشف و کرامات میں بھی ایک تقلید المثال کردار تھا جو تا قیامت انسانیت کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنتا رہے گا۔

عبدالمجید کوثر پیرزادہ

حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی

حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت ۱۱۵۱ھ ہے۔ آپ تلمبہ میں پیدا ہوئے جو ملتان ڈویژن میں واقع ہے۔ آپ کے والد صاحب کا نام حضرت مولوی جان محمدؒ صاحب تھا۔ جہاں تک آپ کے حسب و نسب کا تعلق ہے۔ آپ قریشی النسل تھے۔ آپ کے خانوادے کے بزرگ چونکہ بہت بڑے مجاہد اور علم و فضل میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔ اس وجہ سے گویا حسنِ اخلاق اور علم و عمل کی قوت وراثت میں ہی ملی۔ ذہانت کے اعتبار سے آپ بے روشن ذہن اور نہایت درجہ موزوں طبیعت پائی تھی۔ مزاج میں سنجیدگی اور عقل و فہم میں شائستگی موجود تھی۔ اس وجہ سے بچپن میں ہی آپ نے انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ دینی علوم حاصل کرتے تھے۔ آپ کے مزاج میں تبلیغ دین کا جذبہ موجود تھا۔ لیکن سب سے پہلے اپنی انفرادی اصلاح کو بہت ہی ضروری تصور فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے کسی صاحب نظر کی صحبت میں بیٹھنا اور راہ سلوک کا اختیار کرنا نہایت ہی ضروری سمجھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے تلمبہ کو خیر باد کہا۔ اور ایک بزرگ کی تلاش میں شجاع آباد کیطرف روانہ ہوئے۔ جہاں آپ نے ایک خاصی مدت تک وہاں کے لوگوں میں دینی علوم کا پرچار کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ کسی مرشد کامل کی تلاش کو بھی جاری رکھا۔ مختلف بزرگانِ دین سے ملاقات کی بالآخر آپ نے استخارہ فرمایا۔ اس استخارے میں آپ کو یہ اشارہ ملا کہ ملتان میں حافظ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم دینی شخصیت سے آپکو گوہرِ مقصود ملے گا۔ یہ اشارہ پاتے ہی آپ قبلہ حافظ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ انکے روحانی فیض کے زیرِ سایہ سلوک کی منزلیں طے کیں۔ آپ کے دستِ مبارک پر ہی بیعت فرمائی اور آپ کی رہنمائی کی روشنی میں تزکیۂ نفس کیطرف پورے خلوص سے توجہ دی۔ چونکہ آپ کی طبیعت انتہائی موزوں تھی۔ اسی وجہ سے بہت جلد روحانی طور پر آپ کی شخصیت طریقت معرفت میں درجہ بدرجہ بلند ہوتی گئی۔ استغراق میں اکثر و بیشتر آپ دم بخود ہونے لگے تو پیرِ طریقت نے آپکو یہ ہدایت فرمائی کہ جسقدر ممکن ہوسکے عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کیطرف بھی توجہ دی جائے۔ چنانچہ آپ نے ایک ذہین و متین استاد کیطرح صرف و نحو اور حدیث پڑھائی۔ آپ کا اخلاق اس قدر بہترین تھا کہ لوگ آپ کی طرف جوق در جوق کھنچتے اور علمی، روحانی فیض حاصل کرتے۔ ریاضت عبادت اور درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے معاشرے میں فلاح و بہبود کے کارناموں میں بھی حصہ لیا آپ نے زندگی کا ایک عظیم حصہ ملتان میں گذارنے کے بعد جب آپ نے یہ دیکھا کہ ملتان سکھوں کی یورشوں کی زد میں ہے تو آپ نے جہاں تک ممکن ہو سکا۔ ان کے مقابلہ میں صف آرا بھی ہوئے۔ لیکن بالآخر حالات نے آپکو ملتان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے خیرپور کیطرف ہجرت فرمائی۔ اس وجہ سے یہ مقصد ایک تو اسلامی ریاست میں واقع ہونے کے باعث موزوں تھا۔ دوسرا اس سلسلہ میں آپ کا خیال یہ بھی تھا۔ کہ حضرت قبلہ عالمؒ کا قرب بھی حاصل ہو جائے گا۔ لہٰذا آپ ملتان چھوڑنے کے بعد کچھ عرصہ راستے میں دنیا پور کے قریب ایک گاؤں میں رہائش رکھی۔ وہاں سے لالہ ڈیرہ پہنچے۔ لالہ ڈیرہ میں چلیے واہن قیام فرمایا اور پھر خیرپور کو اپنا مسکن قرار دیا۔ یہ خیرپور کی خوش قسمتی

تھی کہ آپ جیسی عظیم شخصیت اس سرزمین پر قیام پذیر ہوئی۔ آپ نے یہاں بھی دینی تعلیم کو لوگوں تک پہنچایا۔ نہ صرف عام لوگوں نے بلکہ ریاست بہاول پور کے بادشاہِ وقت نے بھی آپ سے فیض حاصل کیا۔ حضرت حافظ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک بھی آپ نے ہی تعمیر کرایا تھا۔ اسی طرح آپ نے قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی مزار مبارک پر بھی روضہ تعمیر کرایا۔ بحرحال آپ نے پوری زندگی خدمت میں صرف کرنے کو اپنا عظیم سرمایہ سمجھا اور علم و عمل کی منزلیں طے کرتے ہوئے خیرپور کی سرزمین پر ہی اللہ کو پیارے ہوئے۔ آپ نے ایک سو ایک سال عمر پائی تھی۔ آج آپکی عظیم شخصیت بظاہر ہماری نظروں سے غائب ہے۔ لیکن حقیقتاً آپکی روحانی فیوض و برکات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی انسان کے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز اٹھتی ہے۔ کہ ؎

خواجہ دے در تے ولیاں موتیاں خدا میتھی
خواجہ دے در توں ولساں خوشیاں دی جھولی بھر

جانباز جتوئی

خواجہ خدا بخش علیہ الرحمۃ دی بارگاہ وچ

میں بن تے آیاں سائل اللہ کوں یاد کر تے
خواجے دے در توں ولساں خوشیاں دی جھولی بھر تے

پڑھ بسم اللہ پاک پہلے پچھے قلم کوں چاتم
خواجے دی بارگاہ ہئی اولیاں دھیاں کر تے

منزل تے مرتبت تاں خواجے دی ڈیکھو یارو
ملکوت سر نگوں ہن کامل ولی دے در تے

کشف و کمال کامل پچھدین تاں کیا نوں پچھدیں
گلزار کوں ہے ڈیندا پاوے نگاہ جے بر تے

سوہنے خدا دا بخشا مدنی موہن دا شیدا
رحمت دا مینہہ پیا وسدے ہر دم تیڈی قبر تے

قاری قرآن پاک حافظ ہے دین حبیبی دا
پنجتن دا سایہ ہئی ہے سوہنے سخی دے در تے

وڈا کریم مرد خانی و لئیں دا اک بنی
بخشش حلال سخی مشہور ہے دہر تے

میڈے وطن دے وسدے پک منٹھ کوں چا خواجہ
اللہ دا فضل ہووے ہر وستی وہ نگر تے

اے دور دے وچالے انسانیت دا کالے
بنڑ یا شریف بیٹھے گوشہ نشین ڈر تے

دنیا ڈے دیکھ چہرے بولی قضا قضا را
مفتی لے ہو ہوا ہے کوڑا اسے ناز زر تے

ڈھولنڑ میڈے دا حکم بولیں نہ اسلوب ہرگز
گنگا میں بنڑیاں بیٹھاں ساونڑ دی گرہ گذر تے

نیڈے بغیر خواجہ دعائیں ہیں کیکوں ڈیواں
ڈکھاں نے میکوں کیتے ننگا چھٹے پدھر تے

توں ہیں کریم ساقی ہیں ہاں عنبر مے کشن
پیاسا کھڑا ہاں جیویں وہندے بحر دی لہر تے

منگ ہوتاں ہو منگداں خواجہ حضور نہیں توں
زندہ رہسی ہمیشہ جانباز نیڈا مر تے

محمد مشتاق پسیر زادہ ایم اے
ڈپٹی ڈائریکٹر معاشرتی بہبود
ملتان ڈویژن ملتان

یوم خواجہ خدا بخشؒ کے متعلق میرے تاثرات

یوم خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ زیر اہتمام خواجہ خدا بخشؒ اکیڈمی خیر پور شریف بہ درگاہ خواجہ موصوف مورخہ منعقد ہوا۔ جس میں بہاول پور ڈویژن کے مشہور شعراء اور ادیبوں نے شرکت کر کے اپنے مقالات پیش کئے جب میں نے یہ مقالات سنے تو انتہائی مسرت ہوئی کہ ایسے مواقع پر اس طرز کے مقالات دینی اور بزرگانِ دین کے مسلک کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ اگر ہم سوچیں تو ان مزارات پر جو عرس کی تقاریب منعقد ہوتی ہیں وہ درحقیقت ان بزرگان کی طریقت اور ان کی زندگی جو اسوۂ نبیؐ کا بہترین نمونہ تھی اس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ مجھے احساس ہوا ہے کہ عرس تقاریب پر جملہ بزرگان اور ولی اللہ کی مزارات پر اس طرز کی مجالس منعقد ہونی چاہئیں تاکہ ہماری موجودہ نسل نہ صرف اسلام کی روح سے باخبر ہو سکے گی بلکہ ہماری قوم کی یہ عظیم تر شخصیات بھی اپنے سنہری اور پاکیزہ کردار سمیت متعارف اس بات موجودہ تعمیراتی دور میں ہماری نئی پود کو اشد ضرورت ہے۔ میں خواجہ خدا بخش اکیڈمی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے جہاں اس یوم میں شرکت کرنے والے آدیب اور شعراء حضرات کا شکر گذار ہوں۔ وہاں اس ملک میں دیگر مزارات کے سجادگان کی خدمت میں بھی پرزور التماس کرونگا کہ وہ بھی ایسی ہی تقاریب منعقد کریں۔ ملک کے نامور اور دانشور ادیبوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں کہ وہ ان بزرگوں کے سلجھے ہوئے کردار اپنے ادب میں سمو کر موجودہ نسل تک پہنچائیں تاکہ ہم موجودہ دور میں اپنی قوم کو دینی اور ملی تقاضوں کے مطابق اپنی تہذیب اور اخلاق کا صحیح نمونہ بنا سکیں۔ آخر میں میں دیگر ممبران اکیڈمی کی خدمت کو بھی سراہتا ہوں۔ جنہوں نے اس بزرگ کی زندگی کو اجاگر کرنے کے لئے مقالات پڑھے اور اس تقریب کا نہایت ہی کامیابی کے ساتھ انتظام و انصرام کو سنبھالا۔

شہاب دہلوی

(۱)

غفلت کے نگاہوں کے پردے اٹھا دے
بیگانۂ ہر خواہشِ دنیا کر دے
درگاہ خدا بخشؒ پہ حاضر ہوں میں
اے ربِّ علا علم سے دامن بھر دے

(۲)

یہ مرکزِ عرفان و خود آگاہی ہے
یہ سدرہ عظمت و گمراہی ہے
ملتی ہے یہاں پر دو جہاں کی نعمت
اس در کی گدائی بھی شہنشاہی ہے

فیضِ نظر کے لئے ضبطِ سُخن چاہیئے
حرفِ پریشاں نہ کہہ اہلِ نظر کے حضور

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم
عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور

اقبالؒ

کاتب: عبدالشکور پیرزادہ

افشاں پریس رحیم یار خان